Estd. 1934.

May 1960

Price

As. -/8/-




OM

Delhi



OM DELHI

جاری شدہ ۱۹۳۴ء

چیف ایڈیٹر
گورکھ ناتھ
نندہ

# رسالہ اوم دہلی

## فہرست مضامین بابت ماہ مئی ۱۹۶۰ء

سالانہ چندہ 6/8 روپیہ ۔ ممالک غیر سے 8/8 روپیہ ۔ قیمت فی پرچہ -/8/

ایڈیٹر
برہمانند
بی اے


| نمبر | مضمون | | مصنف | صفحہ |
|---|---|---|---|---|
| ۱ | گورو اپدیش | (نظم) | شری سوامی پری پورنانند جی ۔ | ۲ |
| ۲ | اُپنشدوں کا مہامنتر | | شری بھاگ مل جی ساہنی ۔ | ۳ |
| ۳ | بقائے دوام | (نظم) | شری نوبت رائے جی شوخ | ۶ |
| ۴ | مہاتما گاندھی کے زرّیں خیالات | | ماخوذ | ۷ |
| ۵ | گاندھی | (نظم) | شری جگن ناتھ جی آزاد | ۱۰ |
| ۶ | بس میں ہوتے آئے بھگوان بھگت کے | | شری ہری چند جی خوشدل | ۱۱ |
| ۷ | مسافر | (نظم) | شری نک راج جی آنند | ۱۳ |
| ۸ | ایک مہاتما کا پرشاد | | لالہ جگن ناتھ جی کھنہ بی اے بی ٹی | ۱۴ |
| ۹ | ذاتِ باری | (نظم) | لالہ جگن ناتھ جی کھنہ صفی | ۱۶ |
| ۱۰ | شیطان کا تاسف | | لالہ کانشی رام جی چاولہ | ۱۷ |
| ۱۱ | دُنیا | (نظم) | ڈاکٹر راج بہادر جی ورما راز | ۲۰ |
| ۱۲ | مسرّت کی تلاش | | شری ایس ۔ این گندھرو | ۲۱ |
| ۱۳ | برباد نہ کر میرا خرمن اس برقِ تپاں کو کون کہے ، | | امیر الشعرا مدیوان پنڈی داس جی قمر | ۲۳ |
| ۱۴ | ساتوک وچار دھارا | | شری شیلانی | ۲۴ |
| ۱۵ | اقوالِ زرّیں | (نظم) | شری شیام لال عابد | ۲۵ |
| ۱۶ | سواستھ رکھشا | | حکیم نند لال جی پوری | ۲۶ |
| ۱۷ | کوچۂ دلدار | (نظم) | شری دُکھ ہرن ناتھ نکہت | ۲۸ |
| ۱۸ | پراچین ہندوستان کی خوشحالی ۔ | | شری وششٹ سوامی جی | ۲۹ |
| ۱۹ | تیرے لئے | (نظم) | شری ساجن بھارتی | ۳۱ |
| ۲۰ | میلہ پریاگ اور بھارت سادھو سماج | | سوامی گیانانند جی مہاراج | ۳۳ |
| ۲۱ | حضرت عیسےٰ کا پیغام | (نظم) | شری فتح چند جی نسیم | ۳۴ |
| ۲۲ | اوم ست سنگ | | دیوان پنڈی داس جی چوپڑہ | ۳۵ |
| ۲۳ | ختم | | حکیم رمیلداس جی مضطر | ۳۶ |
| ۲۴ | مہاراجہ گوپی چند | | پنڈت وشنو دت جی | ۳۸ |
| ۲۵ | دیر سداہاں | (نظم) | کوی لوکنا تھ دل | ۴۰ |


شری برہمانند بی اے پرنٹر پبلشر کے باہتمام کھنہ لیتھو پریس چوڑی بازار دہلی ۶ سے چھپ کر دفتر رسالہ اوم انڈسٹریل اجمیری گیٹ دہلی ۶ سے شائع ہوا۔

# گورو اپدیش

## تت توم اسی

از قلم - شری سوامی ہری پورنانند جی مہاراج

---

ہے ذات اپنی سے خود تو قایم سمجھنا خود کو وبال کیا ہے
نفی کا جسمیں دخل نہیں ہے وہ تو ہے اسمیں مثال کیا ہے

ہیں ہم تعجب میں سُن کے تم سے نفی خودی کی ہی سخت مشکل
عدم کو دل سے عدم سمجھنا بتاؤ اسمیں محال کیا ہے

ہیں نام و صورت یہ مختلف جو نہیں ہیں ایذا رساں یہ ہرگز
خودی ہے موذی نہ نام و صورت بغیر ان کے جلال کیا ہے

ہویدا ہونے کا جو ذریعہ اُسے ہی سمجھے ہو تم تو پردہ
تو نورِ یزداں ہے سب میں روشن نہ نیک تجھ میں ملال کیا ہے

نہ ذات تیری میں کوئی دنیا نہ نیک و بد کا نشان تک ہی
ہیں ذات تیری میں سب یہ فرضی حرام کیا ہے حلال کیا ہے

لرزنہ ہرگز اجل کے ڈر سے ہے موت کی بھی تو موت تجھ سے
تفنگ تیر و کمان خنجر کی تجھ کو کاٹے مجال کیا ہے

بٹھا یہ دل میں کہ ذات میری ہے محض علم و سرور ہستی
ہیں سب کا شاہد چوں مہر انور خوشی نہ مجھ میں ملال کیا ہے

ہمیشہ قایم تو ذات اپنی سے خود کو دیکھو بہ چشم عرفاں
اُٹھا دے پردہ خودی کا خود سے تو خود ہے پورن وصال کیا ہے

# آپنشدوں

## کا

# نیکوئی اور طمانیت دینے والا مہامنتر

از:- شری بھاگ مل جی سائینی

اے امرت پتر! تو آتما کے پہلو سے ہمیشہ ست ہے۔ تیرے لئے ایسا کوئی وقت نہیں جس میں تو موجود نہ ہو، اگر تیری ہستی نہ ہو تو زمانہ اپنی ہستی کیونکر رکھ سکتا ہے۔ تیری ہستی سے ہی وہ ہست سا ہو رہا ہے زمانہ تجھ میں ہے نہ کہ تو زمانہ میں۔ جب تو اپنی طاقت (پرکاش) من کو مستعار دیتا ہے تو پھر وہ سوچتا ہے اور زمانہ کی پیدائش ہوتی ہے۔ اگر تو اپنی طاقت من کو مستعار نہ دے۔ تو پھر سوچتا ہی نہیں۔ جب سوچنا ہی نہیں تو زمانہ بھی نہیں۔ پھر تم اپنے آپ کو زمانہ کی قید میں کیوں خیال کرتے ہو۔ یہ تیرا ایک ظہور ہے اور اپنی ہستی کے لئے سراسر تیرا محتاج ہے تو تو لامحدود ہے۔ تیرا آغاز و انجام ہی نہیں۔ اس لئے تو سدا زمانے کی قید سے مبرا و معرا ہے۔ ایسے ہی تو کسی دیش میں بھی نہیں۔ بلکہ زمانہ کی طرح یہ بھی ایک تیرا ظہور ہے۔ دونوں جڑ (بے پرکاشی) ہونے کی وجہ سے خود بخود ثابت نہیں۔ کسی ہستی سے ہی جانے جاتے ہیں۔ جب تک ان کے جاننے والا تو موجود نہ ہو۔ ان کے ہونے کا خیال ہی کیونکر ہستی رکھ سکتا ہے تو ابھی آتما کے پہلو سے یہیں خوب کمال ہے۔ مرنے کے بعد کمال پانے کا خیال سراسر دھوکہ ہے۔

مرنے کے بعد بہشتی اور یا آئندہ زمانوں میں قائم رہنے کی خواہش مرض خودی ہے۔ انفرادی بقا کا خیال سراسر بھول بھرم ہے۔ بے سمجھی ہے۔ جداگانہ ہستی ہمیشہ محدود، تغیر پذیر اور فانی ہے۔ اس لئے مرنے کے بعد شخصی بقا کی خواہش صرف تاریکی اور جہالت میں ہی اٹھا کرتی ہے۔ نرک سورگ جنم مرن وغیرہ کے خیالات اور سوالات محض خودی کے ہی دھوکے ہیں۔ تجھ لامحدود آتما میں "گذرنا" نہیں جو مورکھ پرش امر ہونے کے معنی آئندہ زمانوں میں انفرادی طور پر سدا ہی بنے رہنے کے سمجھ رہے ہیں۔ وہ محض غلطی پر ہیں۔ وہ صاف طور پر اپنے جسم کے لئے ہی ابدی زندگی ڈھونڈ رہے ہیں۔ ع

"ایں خیال است و محال است و جنوں"

تجھ میں طاقت ہے تجھ میں زور ہے، موت و فکر کے خیالات اپنے اوپر غالب نہ آنے دے۔ آتما موت و فکر دونوں سے آزاد ہے۔ تیری حیثیت دراصل اس قسم کی ہے۔ جس کے اپنے اندر امرت کی دھارا بہہ رہی ہے اور پھر بھی تجھ کو زندگی کے لالے پڑے ہوں۔ مایا اور اگیان نے اس طرح تجھ کو دبوچ رکھا ہے۔ کہ تو اپنی اصلیت آتما کی طرف ذرا بھی متوجہ نہیں ہوتا۔ تجھ کو اپنے آتما ہونے کی خبر نہیں۔

اے امرت پتر! اس وقت ممکن ہے کہ تو یہ بات نہ مانے مگر ضرورت کے وقت رام کرشن کا پیدا کرنے والا تو آپ ہی ہے۔ یعنی

جس کو کلکی اوتار کہا جاتا ہے۔ اُس کو تو خود ہی ضرورت کے وقت پیدا کرنے والا ہے۔ تیری شان اور بزرگی کا بیان کس سے ہو سکتا ہے دیوتا اور فرشتے معذور ہیں۔ برہما بھی شاید یہ حوصلہ نہ کر سکے۔

اپنے جسم کی چھوٹائی، کمزوری اور بے بسی کو ہی محسوس کر کے تجھے ایک قیاسی بیرونی ہستی کا خیال پیدا ہوتا ہے تو اس کے آگے روتا اور گڑگڑاتا ہے۔ اے امرت پتر! تیری ہستی لامحدود ہے۔ وہ کسی کی غلام نہیں۔ وہ ہر پہلو پر سدا پورن ہے تو ہی محدود و مشکل کا سہارا اور مالک ہے۔ تیری آتما میں خالق و مخلوق کی سمائی نہیں۔ کل موجودات تیری روحانی ذات کا جلوہ ہے۔ جو عین محبت، عین نور، عین سرور ہے۔

وہم خودی میں پھنس کر تو اپنے آپ کو جسم سمجھ رہا ہے۔ جب تیری نگاہ خودی کے دھوکے سے باہر آئے گی۔ تو تجھے صاف صاف معلوم ہوگا۔ کہ تیری ہستی کے سوا دوسرا کچھ ہے ہی نہیں۔ وہم خودی میں مبتلا ہو کر تو کچھ نہ کچھ بن رہا ہے۔ اور اپنے لئے ترقی چاہتا ہے۔ کچھ بننے کے اندر اسکے مٹنے کا خیال سدا مخفی رہتا ہے۔ اس لئے خاص صفات حاصل کرنا اور ترقی کی اُمنگ دونوں دھوکے ہیں کچھ "بننا" اور مکتی متضاد چیزیں ہیں۔

جب تو خیالات جذبات اور ارادات سے بالاتر پاک ہستی نور منزہ اور خالص ہے سب کچھ تجھ سے، تیرے اندر، تیرے سہارے تیرا اپنا ہی ظہور ہے۔ تو عین خود کمال ہے۔ اس لئے ہی تو تو اپنے جسم کے نقائص کو جانتا ہے۔ ترقی، تنزلی تیرے ظہور میں ہیں۔ تیری ہستی میں ان کی سمائی نہیں۔ تو فاعلیت سے مبرّا ہے۔ لیکن جملہ افعال کا سرچشمہ بھی تو ہے۔

تو ایک ذات واحد آتما ہے۔ اور ذاتی ماہیت سے ہی مکتی سروپ ہے۔ مسجدوں اور مقامات مقدسہ میں تو کیا ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ تو ہر شے کے اندر نواس کرتا ہے۔ خواہ تیرے سر پر کوئی خاک ڈال دے یا پھولوں کی ٹوکری۔ تیرا اس سے نہ کچھ سنورتا ہے نہ بگڑتا۔ تو اپنی ہستی سے آپ ہست اور اپنا سہارا آپ ہوا سب کا سہارا ہوتا ہے تو حقیقت لامحدود ہے۔ کیول آپ کو محدود مان کر گریہ زاری کر رہا ہے تو غیر فانی اور سدا مقدس ہے۔ جب تو اگیان سے اپنے آپ کو ایک جسم مان لیتا ہے۔ تو تیری زمانی طور پر دائم رہنے کی خواہش ہوتی ہے جو امر محال ہے۔ تیری ذات پاک اور اکال مورت ہے۔ تجھ میں موت پیدائش نہیں۔ نہ تجھ میں کوئی بیماری ہے۔ نہ کسی قسم کی کوئی مصیبت۔ تیرا حال غیر محدود اکاش سا ہے جس پر خیالات، جذبات اور ارادات کے بادل آن کی آن میں چھا جاتے ہیں۔ گھڑی بھر رہ کر پھر غائب ہو جاتے ہیں مطلع پھر دیسے کا ویسا ہی صاف نظر آتا ہے۔

ناپاکی کا خیال چھوڑ۔ تو تقدس مآب ہے۔ پیدائش اور اموات کے خیالات سے پلّہ چھڑا۔ تو من سے پرے ہونے کے باعث زماں و مکاں اور علت و معلول سے بھی اوپر ہے۔ من بُدھی بذات خود روشن نہیں۔ اسی سے تو اُن میں زوال ہے۔ تو ذاتی ماہیت سے ہی نور و سرور ہے۔ اس سے تو تجھ میں زوال کو راہ نہیں۔ جس میں نور کہیں باہر سے آئے وہ کبھی روشن ہوتی ہے۔ اور کبھی تاریک۔ تجھ ذات نوری سے کون نور نکال کر کہیں لے جا سکتا ہے یا دے سکتا ہے تو آفتاب حقیقت تو آفتاب حقیقت ہے۔ تجھ سے جملہ عالم روشن مستعار لے رہا ہے۔ تو حقیقت میں قانون قدرت کی حد سے باہر ہے۔ قدرت کے توانین حاوی کل ہیں۔ لیکن تیری ذات برہم کے آگے جزو ضعیف ہیں تو کسی بیرونی قانون کا غلام نہیں۔ قدرت غیر محدود نظر آتی ہوئی بھی تجھ ذات آتما کے سامنے محدود ہی ہے۔ تو مانند ایک بحر بیکراں ہے اور قدرت اس بحر کا ایک قطرہ ہے۔ چاند سورج وغیرہ تجھ غیر محدود ذات کے مقابلے میں حباب محض ہیں۔ تو کسی کی مت پرواہ کر چھوٹے چھوٹے دیوی دیوتاؤں سے کیا مرادیں مانگتا ہے۔ جبکہ ساری پرکرتی تجھ سے ہی پرکاش مستعار لے کر تجھ شہنشاہ دو عالم کو خوش کرنے کے لئے مجرا کر رہی ہے۔ تجھے کسی رسوم کے ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تجھے کسی طریقے کی پیروی کرنے کی ضرورت نہیں۔ تو نے حقیقت میں کچھ کھویا ہی نہیں۔ جو چیز گم ہی نہیں ہوئی۔ اس کی تلاش میں کیوں پریشانی اٹھاتا ہے۔ تیرا آنند آتما جملہ روشنیوں کی روشنی ہے اور قدرت کی حیرت انگیز طاقتوں کا بھنڈار ہے۔ تیرا آنند ہی گذشتہ موجودہ اور آئندہ ظہورات کا سرچشمہ ہے۔ تو فاعلیت سے بالکل

پاک ہے ۔ تیری محض نزدیکی سے ہی پران اندریے جسم وغیرہ اپنا اپنا فعل کرتے ہیں ۔ خواہش کوشش، زور آزمائی شخصی وجود سے تعلق رکھتے ہیں۔ فاعلیت کی مانند تو مفعولیت سے بھی اوپر ہے ۔ فعل افعال کا تعلق خودی سے ہے ۔ ایک صورت دوسری صورت پر ہی اثر کر سکتی ہے ۔ تجھ پاک آتما پر نہیں ۔ پانی کی ایک لہر دوسری لہر کی صورت میں تبدیلی کر سکتی ہے ۔ ذات پانی پر نہیں۔

تو پانچوں کوشوں کی موجودگی اور غیر موجودگی ان کے ظہور و اخفا، عمل، بیکاری کا شاہد ہے ۔ تجھ شاہد کی ہستی میں کون شک و گمان کر سکتا ہے ۔

تو نادان ہے ۔ تجھ کو خبر نہیں تو نے ناحق خوف سے اور شک و شبہ سے اپنے کان بند کئے ہوئے ہیں۔ آنکھ کھول، اپنے سروپ کو دیکھ تاکہ تجھ میں اصل برہم کی طاقت آئے ۔

جیون کے خیال سے صاف صاف انکار کیونکہ اس سے بڑھ کر درد خیز اور خوفناک دوزخ نہیں۔ موجودہ ذلیل، مکروہ اور تیرہ و تاریک "جیون" کی حالت سے نکل کر اپنے ذاتی کمال اور آفاقی فطرت کی طرف بڑھ، بھول بھرم کو چھوڑ اپنے شدھ سروپ کو یاد کر تو اب مکت ہے "جیون" کے باعث تو چار دل شاسنے چت ہو کر رنج و غم کا گھر بن رہا ہے ۔ اس پر ٹھہر جانا آتم گھات ہے ۔ اور اپنی ذات سے صاف صاف انکار ہے ۔ وید مقدس میں تیری حمد و ثنا میں ترانہ سنج ہے ۔

"پرگیانم برہم" "ایم آتما برہم" اہم برہم اسمی" "سوہم اسمی"

یہ تیری تعریف ہے ۔ کسی غیر کی نہیں۔ اگر تجھ میں روحانیت کا خیال اور دائمیت کا یقین ہو جائے ۔ تو پھر پُن پاپ کا جملہ بوجھ سر سے اُتر جائے ۔

کون کس کا دوست، کون کس کا دشمن، تو اپنے آپ دوست، تو اپنے آپ دشمن، غلط فہمی، جہالت اور نادانی نے تجھ کو مصیبت میں پھنسائے رکھا ہے ۔ اگر ایک مرتبہ یہ خیال دل میں جم جائے ۔ کہ میں آتما ہوں ۔ تو ابھی جملہ دُکھوں کا ستیاناس ہو جائے ۔ اس لئے اپنی ذات آتما کا تصور کر اس پر متحمل و تسواس کر بزدل نہ بن ۔ اپنی اصل ذات میں چرمک جیون مکت ہو جا، سیڑھیاں سجا کیونکہ تو امر آتما ہے ۔ اس کو اپنی ذات کر کے محسوس کر اور شاعر کے ساتھ گا ۔

میں آنند ہوں دُکھ نہیں مجھ میں ہمدم
سدا مکت ہوں بندھن کا کچھ نہیں غم
میں پُورن ہوں مجھ میں کہاں بیش و کم
شِوہم، شِوہم، شِوہم، شِوہم

اگر من کا آئینہ صاف ہے تو تیرے تھ درست کرنے کی چنداں ضرورت نہیں محض و چار سے سر وکار رکھ اور اس مہا منتر کا روزانہ جاپ کر تو پرم گتی کو پراپت ہو گا *

---

# قطعات

از
پروفیسر بخشی اختر صاحب امرتسری

تجھ میں میں، مجھ میں تو سمایا ہے
اہلِ دنیا یہ راز کیا جانیں
مجھ کو مجھ سے الگ سمجھتے ہیں!
بندگانِ مجاز کیا جانیں

جب بھی تجھ سے دور ہو کے بھول جاتا ہوں
تجھ کو اپنے قریب پاتا ہوں
حیف ہے ایسی ہوشیاری پر
جب حقیقت سمجھتا ہوں

# بقائے دوام

از ۔ شہری نوبت رائے شوخ

جس کی یہ جلوہ گری سب عالمِ امکاں میں ہے
اُس کی ذاتِ پاک پوشیدہ دلِ انساں میں ہے

دیکھتے ہیں چشمِ باطن سے اُسے اہلِ نظر
اور اُسی میں محو ہو جاتے ہیں اُسکو دیکھ کر

مہرباں ہوتی ہے جس پر آپ ذاتِ بے نیاز
اُس کو کرتی ہے عطا ایسی نگاہِ پاکباز

اپنے دل ہی میں اُسے پا کر وہ پاتا ہے قرار
پھر کبھی اُس سے جدا ہوتا نہیں ہے زینہار

یوں اُسے جب اُس کی رحمت سے ہی پالیتا ہے وہ
ہستیٔ موہوم کو اپنی مٹا دیتا ہے وہ

کرنی بھرنی سے نکل کر اور بچ کر عدل سے
وہ اُسی سے ایک ہو جاتا ہے اُسکے فضل سے

خود اُسی کا روپ ہو جاتی ہے ساری کائنات
اپنا جلوہ ہی نظر آتی ہے ساری کائنات

اس تنِ خاکی سے کچھ وابستگی رکھتا نہیں
لاش کی صورت لئے پھرتا ہے اس کو ہر کہیں

جسمِ موجودہ کے جب اعمال ہوتے ہیں تمام
اُس غریقِ رحمتِ یزداں کو ملتا ہے دوام

یوں تناسخ سے رہا ہوتا ہے مسرورِ وصال
دور ہو جاتا ہے اُس سے جینے مرنے کا وبال

لوٹتے جس سے نہیں پاتا ہے وہ ایسا مقام
جنتیں اے شوخ ہوتی ہیں جہاں ساری تمام

# مہاتما گاندھی کے زرّیں خیالات

## ایشور

ایشور ایک ہے۔ وُہ ہر جگہ حاضر اور ناظر ہے۔ وُہ بغیر آنکھوں کے دیکھتا ہے۔ بغیر کانوں کے سُنتا ہے۔ وہ نِرا کار اور لامحدود ہے۔ وُہ پَیدا نہیں ہوتا۔ اس کا نہ باپ ہے اور نہ ماں۔ نہ اولاد۔ پھر بھی وہ ان ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ اور لوگ ان شکلوں میں اس کی پُوجا کیا کرتے ہیں۔ جسے وُہ منظُور کر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ مُورتی پُوجا کے رُوپ میں بھی وُہ پُوجا کو منظُور کرتا ہے۔ حالانکہ اس کی کوئی مُورتی نہیں ہو سکتی۔ وہ ہاتھ نہیں آتا۔ چکمہ دے کر نکل جاتا ہے اگر ہم اُسے پہچان لیں تو وُہ ہمارے بالکل نزدیک ہے۔ اور اگر ہم اس کے حاضر و ناظر ہونے کو نہ مانیں تو وُہ ہم سے بہُت دُور ہے۔

ایشور سچّ ہے۔ سچ ہی ایشور ہے۔ الفت اور محبّت ایشور ہے۔ نیک اصُول اور اخلاقِ حسنہ ایشور ہے۔ ایشور زندگی اور روشنی کی بنیاد ہے اور پھر بھی وہ ان سے پرے ہے۔ ایشور ہمارے دلوں کی گہرائیوں میں چھپا ہُوا ہے۔ وہ ناستکوں کا ناستک پن ہے۔ کیونکہ وُہ اپنی لاثانی محبت سے انہیں بھی زندہ رہنے دیتا ہے۔ وہ دل کی گہرائیوں کو ٹٹولنے والا ہے۔ عقل اس کا بیان نہیں کر سکتی۔ زبان اس کی تعریف نہیں کر سکتی۔

ایشور اُن لوگوں کے لئے ایک فردِ واحد ہے جو اُسے اُس شکل میں حاضر دیکھنا چاہتے ہیں۔ جو اُسے چھونا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے وہ جسمانی شکل اختیار کرتا ہے۔ وہ ایک مقدس سے مقدس چیز ہے۔ جو اُس کی ہستی میں یقین رکھتے ہیں۔ ان ہی کے لئے اس کا وجود ہے۔ وہ ہم میں موجُود ہے اور پھر بھی ہم سے پرے ہے۔ اس کی قوّتِ برداشت بہت زیادہ ہے وہ بڑا صابر ہے۔ لیکن وُہ بڑا بھیانک بھی ہے۔ وہ اس دُنیا میں اور آنے والی دُنیا میں بھی سب سے زیادہ کام کرنے والی طاقت ہے۔ جیسا ہم اپنے پڑوسی۔ انسان اور حیوان دونو کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں۔ اُسی طرح کا برتاؤ وُہ ہمارے ساتھ کرتا ہے۔ اس کے سامنے لاعلمی کی دلیل نہیں چل سکتی۔ لیکن اس کے باوجود وہ بہت بڑا رحم دل ہے۔ کیونکہ وُہ ہمیں عبرت حاصل کرنے کے لئے موقعہ دیتا ہے۔ وُہ سب سے بڑا جمہوریت پسند ہے کیونکہ وُہ بُرے بھلے کو پسند کرنے کے لئے ہمیں کھلا چھوڑ دیتا ہے۔ وُہ سب سے بڑا ظالم ہے۔ کیونکہ وُہ اکثر ہمارے مُنہ تک آئے ہُوئے لُقمہ کو چھین لیتا ہے۔ اور وُہ اپنی مرضی کی آڑ میں ہمیں اتنی کم چھُوٹ دیتا ہے۔ کہ ہماری مجبُوری کے سبب اُس سے صرف اُسی کو مزہ آتا ہے۔

ہندُو دھرم کے مطابق یہ سب اس کی لیلا ہے۔ اس کی مایا ہے۔ ہم کچھ نہیں ہیں۔ صرف وُہی ہے

## پرماتما کی خدمت!

سوال:۔ جب ہم پرماتما کو نہیں جان سکتے ہم اُس کی خدمت کیونکر کر سکتے ہیں؟

جواب:۔ ہم پرماتما کو نہ جانتے ہوں۔ مگر ہم اس کی مخلوق کو جانتے ہیں۔ اُس کی مخلوق کی خدمت ہی اس کی خدمت ہے۔

سوال:۔ لیکن ہم پرماتما کی ساری مخلوق کی خدمت کیونکر کر سکتے ہیں؟

جواب:۔ خدا کی مخلوق کا وہ حصّہ جو ہمارے نزدیک ہے اور جسے ہم جانتے ہیں۔ اُس کی خدمت کر سکتے ہیں ہم یہ کام اپنے پڑوسی کی خدمت سے شروع کر سکتے ہیں۔ ہم اپنے کُنبے کی خدمت کریں۔ لیکن کُنبے کی خاطر گاؤں کو قُربان نہ کریں۔ گاؤں کی عزّت ہماری عزت ہے۔ لیکن ہم میں سے ہر ایک کو اپنی طاقت کا جایئزہ لے لینا چاہیئے۔ ہم جس دُنیا میں رہتے ہیں۔ اُس کے متعلق جتنا ہم جانتے ہیں، بس اُتنی ہی ہمارے کام کرنے کی طاقت ہے۔ اگر آپ اسے نہ سمجھ سکے ہوں تو آیئے میں آپ کو آسان طریقے سے سمجھاؤں۔ جتنا ہم اپنے پڑوسی کے متعلّق سوچیں۔ اس سے کم اپنے متعلّق سوچیں۔ اگر ہم اپنے صحن کا کوڑا پڑوسی کے صحن میں پھینک دیتے ہیں۔ تو یہ بنی نوع انسان کی خدمت نہیں۔ بلکہ اس کو نقصان پہنچانا ہے۔ ہمیں یہ خدمت کا کام اپنے پڑوسیوں کی خدمت سے ہی شروع کرنا چاہیئے۔

پرماتما کو اپنی خدمت کرانے کی ضرورت نہیں۔ وُہ اپنی مخلوق کی خدمت کرتا ہے۔ مگر اُس کے بدلہ میں کوئی خدمت نہیں چاہتا ایسی اور دوسری باتوں میں اس کا کوئی ثانی نہیں۔ اس لئے پرماتما کا خادم وہی کہلا سکتا ہے۔ جو اس کی مخلوق کا خادم ہے

## ایشور زندگی ہے

میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میرے چاروں طرف سب کچھ بدل رہا ہے۔ مر رہا ہے۔ تب بھی ان سب تبدیلیوں کی تہ میں ایک زندہ طاقت ہے۔ جو کبھی نہیں بدلتی۔ جو سب کو ایک سے ملائے رکھتی ہے۔ جو نئی دُنیا پیدا کرتی ہے۔ اس کو ختم کرتی ہے۔ اور پھر نئے سرے سے پیدا کرتی ہے۔ یہ طاقت ایشور ہے۔ خدا ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ موت ہو جانے پر بھی زندگی قایم رہتی ہے۔ جھوٹ کے ہوتے ہوئے بھی سچ کی جے ہوتی ہے۔ اندھیرے میں اُجالا رہتا ہے۔ اس لئے مَیں تسلیم کرتا ہوں۔ کہ ایشور زندگی ہے۔ سچ ہے۔ اجالا ہے۔ وُہ محبّت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوُا سمندر ہے۔

آج کل تو یہ ایک فیشن سا بن گیا ہے۔ کہ زندگی میں ایشور کی کوئی جگہ نہیں سمجھی جاتی۔ اور سچّے ایشور میں کامل یقین رکھے بغیر ہی اونچے درجہ کی زندگی تک پہنچنے کی کوشش پر زور دیا جاتا ہے۔ لیکن میرا اپنا تجربہ تو مجھے اُس علم کی طرف لے جاتا ہے۔ کہ جس کے قاعدے کے مطابق ساری دُنیا کا انتظام ہوتا ہے۔ اُس دائمی اصول پر پختہ یقین رکھے بغیر مکمّل زندگی ممکن نہیں ہے۔ اس یقین سے خالی انسان کی حالت تو سمندر کی اس بوند کی طرح ہے۔ جو سمندر سے الگ ہو گئی ہے۔ اور جس کی بربادی یقینی ہے۔

جو لوگ ایشور کی ہستی کے قایل نہیں۔ وُہ اپنے جسم کے سوائے اور کسی چیز کی ہستی کے قایل نہیں۔ انسانیّت کی ترّقی کے لئے اس یقین کی ضرورت کو تسلیم نہیں کرتے۔ آتما اور پرماتما کے ایک ہونے کا خواہ کتنا ہی اچھا ثبوت آپ ان کے سامنے پیش کریں۔ وُہ ان کی نظر میں فضول ہے۔ جس انسان نے اپنے کانوں کو بند کر رکھا ہو۔ اُسے آپ کتنا ہی اچھا گانا کیوں نہ سنائیں وہ اس کی تعریف تو کیا کرے گا۔ اُسے سُن بھی نہیں سکیگا۔ اسی طرح جو لوگ یقین ہی نہیں لانا چاہتے۔ انہیں آپ ہر جگہ حاضر اور ناظر ایشور کی ہستی کا یقین کرا ہی نہیں سکتے۔

مَیں پرماتما کو حاضر ناظر دیکھنا چاہتا ہوں۔ مَیں جس پرماتما کو جانتا ہوں۔ وُہ سچ ہے۔ میرے سامنے پرماتما تک پہنچنے کا ذریعہ اہنسا۔ عدم تشدّد اور محبّت ہے۔ مَیں ہندوستان کی آزادی کے لئے جیتا ہوں اور اسی کے لئے مروں گا۔ کیونکہ میری نظر میں یہ بھی سچ کا ایک حصّہ ہے۔ صرف آزاد ہندوستان ہی سچّے پرماتما کی پُوجا کر سکتا ہے۔

## انسان کا آخری مُدعا

ایک دوست نے گاندھی جی سے دریافت کیا کہ کیا گاؤں میں بیٹھ کر گاؤں والوں کی مقدور بھر خدمت کرنے سے آپ کا مُدعا

پرتما کی خدمت کرنا ہے؟

گاندھی جی نے کہا ــــــ "میں یہاں اپنی خدمت کے علاوہ اور کسی کی خدمت نہیں کر رہا ہوں۔ گاؤں والوں کی خدمت کے ذریعہ میں اپنے آپ کو پہچان رہا ہوں۔ **انسان کا آخری مدعا پرماتما کو جاننا ہے**۔ اور اس کی تمام سرگرمیاں خواہ وہ مجلسی، سیاسی یا مذہبی ہوں۔ صرف اسی ایک مقصد کے لئے ہونی چاہئیں، بنی نوع انسان کی خدمت اس کوشش کا ایک ضروری حصّہ ہے کیونکہ پرماتما کو تلاش کرنے کا ایک واحد ذریعہ یہ ہے۔ **کہ اسے اس کی پیدا کردہ مخلوق میں دیکھا جائے۔** اور اس سے ایک ہو جائے، میں کل کا ایک حصّہ ہوں اور میں اسے اس کی مخلوق سے الگ نہیں دیکھ سکتا۔ میرے اہل وطن میرے نزدیکی پڑوسی ہیں۔ وہ اس قدر بےکس اور بےحس ہو چکے ہیں۔ کہ مجھے اپنی تمام تر توجہ ان کی خدمت پر ہی مرکوز کرنی چاہیئے۔ اگر مجھے اس امر کا اطمینان ہو سکتا ہے کہ ہمالیہ کی غاروں میں پرماتما مل سکتا ہے۔ تو میں وہاں فوراً چلا جاتا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ میں اُسے اس کی مخلوق کے سوائے اور کہیں نہیں تلاش کر سکتا۔

لیکن انسان اپنی روحانی ترقی کے لئے کچھ نہ کچھ آسائش ضرور چاہتا ہے۔ دیہات کے رہنے والوں کی مصیبت اور چیخ و پکار کے درمیان رہ کر یہ ترقی ناممکن ہے۔ اس مطلب کے لئے ایک خاص حد تک جسمانی آسودگی اور آسائش کی ضرورت رہتی ہے۔ لیکن جب یہ آسودگی اس حد سے تجاوز کر جاتی ہے۔ تو یہ روحانی ترقی کو آگے لے جانے کی بجائے اُلٹا رکاوٹ ڈالتی ہے۔ اس لئے ضروریات کو ضرب دے کر پیدا کرنا اور ان کو پورا کرنا محض دھوکا اور فریب نظر آتا ہے۔ جسمانی اور دماغی ضروریات کو ایک خاص حد سے آگے نہیں لے جانا چاہیئے۔ انسان کو لازم ہے۔ کہ وہ ان ضروریات کو ایسے ڈھنگ سے پورا کرے کہ وہ بنی نوع انسان کی خدمت کا کام اچھی طرح کر سکے۔ اور اس کی جملہ سرگرمیاں اسی ایک مرکز یعنی خدمت پر مرکوز رہنی چاہئیں۔

جن لوگوں کا ایشور پر سچا اعتقاد ہے۔ اور جو مذہب کی اصلیّت کو جانتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے سر پھٹول نہیں کرتے۔ اور اگر کوئی ایسا موقع آئے تو ایسے لوگ اپنی نرمی اور میٹھی زبان سے اپنے مخالفوں کے غصّہ کو دُور کر دیتے ہیں۔ مذہب کا صرف یہ مدعا نہیں کہ انسان نماز ادا کرے یا مندر میں جائے۔ **اس کا اصل مطلب تو اپنے آپ کو اور اپنے پیدا کرنے والے کو پہچاننا ہے۔**

انسان جو خدا کی ہستی میں یقین رکھتا ہے اور جو اس کے رحم اور عدل و انصاف کو مانتا ہے۔ وہ انسان کے بُرے افعال سے نفرت کر سکتا ہے۔ لیکن انسان سے نہیں۔ انسان خود گناہوں کا پُتلا ہے۔ اور اپنے عیبوں کے لئے رحم کا طلبگار رہتا ہے۔ اس لئے وہ دوسرے گناہگار انسانوں سے نفرت نہ کرے۔

---

## قطعات

از
پروفیسر بخشی اختر امرتسری

ہر طرف ہی ہر جگہ وہ ہے موجود
اس کا جلوہ کہیں نہیں مفقود
دشت و صحرا میں ڈھونڈنے والے
من کے مندر میں ہے ترا معبود

ذرہ ذرہ میں ہے چمک اسکی
قطرہ قطرہ میں ہے دمک اسکی
وہ تو ہے خار خار میں موجود
پتی پتی میں ہے مہک اسکی

# گاندھی

از۔ جناب جگن ناتھ آزاد

آیا وہ خواب مست غلاموں کے دیس میں
بیداریٔ حیات کی دنیا لئے ہوئے

ہاتھوں میں لے کے پرچم آزادیٔ بشر
پھرتا رہا خلوص کا جذبہ لئے ہوئے

دنیائے قید و بند کا رتبہ بڑھا گیا
ہاتھوں میں حریّت کا پھریرا لئے ہوئے

ہر گوشۂ حیات کو پُر نور کر گیا
حسنِ عمل کا جلوۂ زیبا لئے ہوئے

گرم ستیز سطوتِ افرنگ سے ہوا
آزادیٔ وطن کی تمنّا لئے ہوئے

ٹکرا کے سامراج کے سنگین دور سے
اہلِ وطن کے عشق کا سودا لئے ہوئے

اس نے طلسم توڑ دیا سامراج کا
اک عظمتِ بشر کا سہارا لئے ہوئے

وہ پیکرِ نحیف وہ اک ناتواں سا جسم
آدم کی قوتوں کا خزانہ لئے ہوئے

ہندوستاں کی خشک زمینوں پہ پھر گیا
سینے میں اپنے عزم کے دریا لئے ہوئے

پہنچا وطن جو منزلِ مقصود کے قریب
آزاد زندگی کی تمنّا لئے ہوئے

یہ پیکرِ نحیف گرا کارزار میں
سینے پہ زخم دردِ وطن کا لئے ہوئے

اور زندگی کے درد کا پالا ہوا بشر
رخصت ہوا شہید کا رتبہ لئے ہوئے

(بہ تسلیمات آل انڈیا ریڈیو)

# بس میں ہوتے آئے بھگوان بھگت کے

از۔ ٹھاکری ہری چند خوشدل بی اے۔ بی ٹی

آج سے بارہ برس پہلے کی بات ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ابھی یہ کل کا واقعہ ہے بسنتوں۔ سادھوؤں مہاتماؤں کی کرامات کے کارنامے سُن کر اُن کی صداقت پر یقین ہی نہیں آتا تھا۔ سن رکھا تھا۔ سنت کی مہما وید نہ جانے۔ بھگت کے بس میں ہوتے آئے ہیں بھگوان۔ مگر آنکھوں دیکھی بات۔۔۔۔۔ بالکل سچا واقعہ۔۔۔۔۔ آج بارہ برس کے بعد بھی مجھے اس امر کے ماننے پر مجبور کر رہا ہے کہ بھگوان جب دیال ہوتے ہیں تو ناممکن کو ممکن بنا دیتے ہیں۔ اور وہ جو کہتے ہیں۔ کہ ہوگا دیال تو دے گا بُلا کے، سو فیصدی سچ ہے اور جو لوگ بھگوان میں اگادھ شردھا رکھ کر اُسی کے بھروسہ پر رہ کر یہ سمجھتے ہیں۔ کہ ع

"گر مرد ہے تو دانا کوڑی نہ رکھ کفن کو"

وہ بھی کبھی مایوس نہیں ہوئے۔

لیہ ضلع مظفر گڑھ (پاکستان) سے ایک سپیشل گاڑی میں ہم لوگ جالندھر میں پہنچے۔ کچھ دن آریہ سماج مندر اڈہ ہوشیار پور جالندھر کے برآمدہ میں پڑے رہے ہمارا وہاں رہنا وہاں کے ادھیکاریوں کو جب اچھا نہ لگا تو ہم وہاں سے برہمچاری آشرم جالندھر کے سرکاری کیمپ میں آ گئے۔۔ وہیں راولپنڈی کے علاقہ کی ایک دیوی پہلے سے آئی ہوئی تھی۔ ساٹھ ستر سال کی بوڑھی دیوی جب پُتر پُتر کہہ کر مجھے بُلاتی۔ اور میرے لڑکے چندر پرکاش سے پیار بھری باتیں کرتی تو من کا کنول کھل اٹھتا اور مجھے یکایک اپنی نیک طینت نانی کی یاد آ جاتی۔ جس کے چرنوں میں بیٹھ کر میں نے بہت کچھ سیکھا۔

برہمچاری آشرم میں بھی بہت دیر رہنا نصیب نہ ہوا۔ وہاں سے ہماری سرکار نے ہمیں بھارگو کیمپ جالندھر میں بھیج دیا اور ہماری خوش قسمتی سے وہ بوڑھی دیوی بھی ہمارے ساتھ کے تنبو میں آ کر ٹھہرنے لگی۔

اس بوڑھی دیوی نے کبھی بہت اچھے دن دیکھے تھے۔ لیکن اب اس کے پاس نقدی نہیں تھی۔ اس کا بیٹا پاکستان بننے سے پہلے ہی راہئ ملکِ عدم ہو چکا تھا۔ اب اس کے پاس اس کی ایک پوتی اور ایک پوتا رہ رہے تھے۔ وہ پوتی کا بیاہ کسی ایسے گھر میں کرنا چاہتی تھی۔ کہ جو جہیز کا طلبگار نہ ہو۔ کیونکہ وہ جہیز تو کیا بیاہ کا خرچ بھی نہ دے سکتی تھی۔ وہ محض پانی پلا کے ہی اپنی پوتی کی ڈولی دے سکتی تھی۔ گیتا کا پاٹھ وہ صبح شام کیا کرتی تھی۔ اور بھگوان کرشن کی دیا میں اُسے پکا وشواس تھا وہ کہا کرتی تھی کہ جب وہ اناتھوں کا ناتھ کہلاتا ہے تو کیا میری نہیں سُنے گا؟ سچ کہا ہے

بفضلِ الٰہی مشو نا امید ۔۔۔ کہ ابر سیاہ بارد باراں سفید

ہوتا ہے فضل جب کبھی رب کریم کا ۔۔۔ بادِ سموم بنتی ہے جھونکا نسیم کا

اور انگریزی میں شیکسپیئر نے کہا ہے

MORE THINGS ARE WROUGHT BY PRAYER THAN THE WORLD CAN DREAM OF

نہ ہو اس سے مایوس اُمیدوار ۔۔۔ اُسے فضل کرتے نہیں لگتی بار

مالک نے بوڑھی کی فریاد، ایک دن سن لی۔ اسی کے اپنے شہر کے ایک رئیس نے تنبو میں آکر اپنے بیٹے کے لئے اس کی پوتی کا ہاتھ جھولی پھیلا کر مانگ لیا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ جہیز میں پھوٹی کوڑی تک نہ ملے گی۔ اور نہ ہی برات کو چائے پانی کی کوئی امید رکھنی چاہیے۔ اگلے ایت وار کو شادی طے پائی۔ پانچ بجے برات کیمپ میں پہنچے گی۔

بوڑھی دیوی کے سامنے والا تنبو کسی اتفاق سے خالی ہوگیا۔ بوڑھی خوش تھی۔ کہ برات سامنے کے تنبو میں ٹھہرے گی۔ تنبو تین چار دن خالی رہا۔ اور اسی دوران میں چھوٹے چھوٹے بچوں کے کارن وہاں گندگی کے ڈھیر لگ گئے تھے۔ خیر وچار یہ تھا کہ سنیچر کو عین موقعہ پر اس کی صفائی کرادی جاوے گی مگر ع

"من درچہ خیالم چہ فلک درچہ خیال"

کے مصداق ابھی قادر مطلق نے ایک اور امتحان لینا تھا۔

نصر الہ کا کیمپ کسی وجہ سے توڑ دیا گیا۔ وہاں سے رفیوجی بھاگ سے کہ بھادر گو کیمپ میں آئے ان کے رہنے کا انتظام اس جگہ ہوا تھا۔ ایک اپٹوڈیٹ بابو آیا۔ اس نے بوڑھی کے سامنے والے تنبو کی صفائی کرائی۔ نئے پردے لگوائے۔ پانچ سات روپے گرہ سے خرچ کر کے تنبو کی شان دوبالا کردی۔ بوڑھی دیوی دکھی ہوئی۔ وہ اسی تنبو میں پوتی کا بیاہ کرنا چاہتی تھی۔ مگر یہ تنبو اب دوسروں کی ملکیت بن چکا تھا۔ لیکن اس نے ہمت نہ ہاری۔ بابو کے پاس گئی۔ اور بولی۔ "بیٹا ایت وار تک یہ تنبو میرے پاس رہنے دے۔ میری پوتی کی شادی ہے۔ سوموار سے تمہارا ہے ہی" بابو نے جو جواب دیا وہ یہاں لکھنے کے لائق نہیں ہے۔ بوڑھی مایوس ہوئی۔ روتی ہوئی میرے پاس آئی۔ میں ساتھ گیا۔ بابو ماننے والا نہیں تھا۔ وہ بولی، اب کیا ہو گا؟" میں نے کہا۔ کرشن کو یاد کرو۔ وہی بگڑی سنوارے گا۔" اسے حوصلہ ہوا۔ اب اس کی زبان پر کرشن کرشن، تھا اور دل میں پوتی کی شادی کا خیال۔

بوڑھی دیوی کے پاس دل تھا پیسہ نہ تھا۔ ہم اس کی طرف سے کیمپ کمانڈنٹ کے پاس امداد کے لئے گئے۔ انہوں نے کہا۔ سرکار کی طرف سے بیاہ شادیوں پر امداد کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔ مایوس ہو کر لوٹ آئے۔ ہمارے بلاک میں رہنے والوں کی میٹنگ ہوئی۔ فیصلہ ہوا ہر ایک رفیوجی اپنے راشن میں سے شردھا انوسار بوڑھی کے برتنوں میں کچھ نہ کچھ ڈالتا جائے۔ راشن ختم ہونے سے پہلے بوڑھی کے پاس کافی سامان اکٹھا ہو گیا تھا۔

مالک کی قدرت۔۔۔۔ اس تنبو میں جس کی صفائی کچھ روز پہلے ایک بابو صاحب کرا گئے تھے۔۔۔۔ کوئی نہ آیا۔ تنبو خالی رہا۔ برات آئی۔ بلاک والے اپنی دریاں لے آئے۔ کام کرنے والوں نے دان بھی دیا۔ کام بھی کیا۔ پندرہ آدمیوں کی برات کا شاندار سواگت ہوا۔ انہیں پرتکلف دعوت دی گئی۔ وہ خوش خوش گئے۔ انہیں اتنی خاطر مدارت کی توقع نہ تھی۔

جونہی ڈولی گئی۔ بلاک والوں نے اپنا اپنا سامان لے لیا۔ تنبو کے آس پاس صفائی کردی۔ گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔

اور بوڑھی دیوی ہر ایک تنبو میں جا کر سب کو دھنیا واد دے رہی تھی۔ میرے پاس بھی آئی۔ بولی! "بیٹا تم ٹھیک کہتے تھے۔ 'نربل کے پران آدھار پربھو، سنتن کے کارج وہ آپ سنوارے'۔" میں نے کہا "تمہارے تنبو میں اس کلیگ میں بھی شری کرشن سوئم تمہارے کیمپ میں آئے۔ انہوں نے سیوا بھی کی۔ سامان بھی گھر سے لائے اور خرچ بھی اپنی جیب سے کیا اور وہ کیا کرتے!"

بوڑھی نے یہ سنا اور بھولے پن سے بولی "آج میں نے شری کرشن کے ساکھشات درشن پالئے"۔ میں نے کہا: بھگوان بھگت کے بس میں ہوتے آئے سدا سے۔ بولو شری کرشن بھگوان کی جے"۔

# مُسافر

(از۔ شریمتی مُلک راج جی آنند)

آنکھ کھول کر دیکھ مُسافر
ساتھ تیرے کوئی اور بھی ہے

جیون پتھ پر جانے والے    سُکھ کی آس میں گانے والے
تیرے سُکھ کا رونا سُن کر    پگلے یہ سنسار دُکھی ہے

آنکھ کھول کر دیکھ مُسافر
ساتھ تیرے کوئی اور بھی ہے

اوروں کا کچھ خیال نہ کرنا    پھولوں پر ہے پاؤں دھرنا
مَسل نہ تو جذبات کسی کے    اپنے جیسا سب کا جی ہے

آنکھ کھول کر دیکھ مُسافر
ساتھ تیرے کوئی اور بھی ہے

اپنے جیسے سب کے مَن ہیں    آشا سے آباد وطن ہے
تو بھی جی اجینے دے سب کو    جینے کی یہ راہ بھلی ہے

آنکھ کھول کر دیکھ مُسافر
ساتھ تیرے کوئی اور بھی ہے

# ایک مہاتما کا پرساد

## "پرشن اُتر"

(لالہ جگن ناتھ جی کھنہ بی۔اے۔ بی۔ٹی)

**جگیاسو:**۔ اس میں کیا سندھیہ ہے، بھگون، آپ نے مجھ پر بڑی کرپا کی جو مانو جیون کے لکشیہ اور اُدّیش کا رہسیہ بتایا۔ اب میری پرارتھنا یہ ہے کہ کرپیا بھگوت بھجن پوجا اور اُپاسنا کی ودھی پر پرکاش ڈالیں تاکہ میرے جیسا موڑھ بدھی پرانی بھی آپ کے امولیہ وچاروں سے لابھ اٹھا سکے۔

**مہاتما:**۔ تمہارے اس پرشن سے مجھے بہت پرسنتا ہوئی ہے اور میں یتھا شکتی اس کا اُتر دینے کا پریاس کروں گا۔ بھگوت بھجن سے مراد ہے اس سادھن کی جو ایشور پراپتی کے دھیہ کو سنمکھ رکھکر پرانی عمل میں لاتا ہے اور اس میں جُٹ جاتا ہے۔ اس کے اتی رکت اُسے جیون میں کوئی وستو بھی اپنی طرف آکرشت نہیں کر سکتی۔ وہ دن رات اسی دُھن میں رہتا ہے اُٹھتے۔ بیٹھتے۔ چلتے، پھرتے، کھاتے پیتے، وہ اس آدرش کو نہیں بھولتا۔ اپنی تمام اندریاں اور من اسی میں تلّین کر دیتا ہے۔ اور اس طرح سے وہ بھجن روپ ہو جاتا ہے۔ کسی خاص ستھان پر آدھ گھنٹہ بیٹھ کر مالا پھیرنا ہی بھجن نہیں ہے۔ تم گنگا تٹ پر بیٹھ کر بھجن کر رہے ہو اور پاس ہی ایک کٹیا میں آگ لگ جاتی ہے یا کوئی بچہ ندی میں گر جاتا ہے اور تم اپنے ستھان پر بیٹھے رہتے ہو۔ اور نہ ہی آگ بجھانے کا یتن کرتے ہو اور نہ ہی بچے کو ندی سے نکالنے کی کوشش کرتے ہو۔ اس خیال سے کہ میرا جپ ابھی پورا نہیں ہوا۔ اس کو بھجن نہیں کہا جا سکتا۔ یہ سراسر نردیتا ہے اور پاپ ہے اور دمبھ ہے۔ پوجا کے لئے بھگوان سوینگ کہتے ہیں۔

پترنگ پشپنگ، پھلنگ تو ینگ یو مے بھکتیہ پریچھتی،
تدہم بھکتی اُپ ہرت مشنامی پریت تمنہ،
9/26

میرے پوجنے میں یہ سگمتا بھی ہے کہ پتر، پشپ پھل جل اتیادی جو کوئی بھگت میرے لئے پریم سے ارپن کرتا ہے۔ اس شدھ بُدھی نشکام پریمی بھگت کا پریم پورک ارپن کیا ہُوا وہ پتر، پشپ آدک میں سگن رُوپ سے پرگٹ ہو کر پریتی سہت کھاتا ہُوں"۔ پوجا چاہے کتنی ودھی سے کی جائے اگر وُہ پریم سے شُنیہ ہے تو وہ کیول وکھاوہ ماتر ہے، اگر پریم سہت ایک پھول بھی بھگوان کے ارپن کیا جاوے۔ تو وُہ پرسّن ہو جاتے ہیں۔ اس سے سدّھ ہوا کہ واستو میں بھگوان کو بس میں کرنے کا ایک ماتر سادھن پریم ہے۔ اسی سے بھگوان کو خریدا جا سکتا ہے۔ انتھا نہیں۔ اگر ہردے میں پریم ہلورے لے رہا ہو۔ تو خرید لے کوئی کرشن کو، ایک تلسی کی پتی سے، خرید لے رام کو گنگا جل کے ایک چھینٹے سے! اکھل برہمانڈ نایک بھگوان کرشن کو پریم دوارا تم اس طرح قابو کر سکتے ہو جس طرح چمک پتھر لوہے کو پکڑ لیتا ہے یا وُہ اپنے آپ ہی قابو آ جاتے ہیں، لیکن پھنستے ہیں پریم پاش میں۔ بغیر پریم کے ان کو اپنے بس میں کرنے کا اور کوئی سادھن نہیں۔ ایسا پریم جس میں سروسو ان کے ہی ارپن کر دیا جاوے۔ کوئی وستو، یا بھاو، بچا نہ رہ جائے۔ اسی واسطے تو انہوں نے ارجن کو صاف لفظوں میں کہہ

دیا۔ کہ سرو دھرماں پتریج تیج، مامیکنگ شرنم ورج، ارتھات سب دھرموں کو چھوڑ کر میری شرن میں آ۔ اور ساتھ ہی اس کو یہ آشواسن بھی دے دیا۔ کہ اہنگ توا سرو پاپیبھیو موکشیشیامی، ماشچہ، ارتھات میں تجھے تمام پاپوں سے چھڑا دوں گا، سوچ مت۔ کہ اس سے بڑھ کر وُہ اور کیا کہتے کیا منشیہ کے دربھاگیہ نہیں ہیں کہ وُہ ادھر ادھر بھٹکتا رہے۔ اور ان کے اس وشواس دلانے پر بھی ٹھیک مارگ پر نہ چلے۔

جگیاسو:۔ مہاراج، یہ بات تو میری سمجھ میں آگئی۔ لیکن میں ایک اور سنشے میں پڑ گیا ہوں، کہ ایسے بھگت کے لئے اور کوئی کرم کرنا ششلا ہوں، دان، تیرتھ یاترا، دلیش سیوا آدی کرنا اوشیک ہوتا ہے یا نہیں۔

مہاتما:۔ یدی اتنی بات سن کر بھی تمہاری بدھی سنشیا تمک ہوتی ہے تو تمہاری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔ اور یہ سب بات چیت زار تھک رہی۔ اچھا اب پھر سنو۔ شری بھگوان کے کتھن انوسار جب کوئی بھگت اننیہ بھاو سے ان کی شرن میں آجاتا ہے۔ تو اسے کیا مارتھ اور کوئی کام اس کے کرنے یوگیہ نہیں رہتا۔ کیونکہ اس صورت میں بھگوان ہی اسے پراپت ہو جاتے ہیں۔ تو اور کیا باقی رہا۔ یدی وُہ اپنا کرتویہ سمجھ کر اس قسم کے شاستر ذکت کرموں میں پرورت ہوتا بھی ہو تو بھی اس کے لئے بھگوان یہ آگیا دیتے ہیں۔

یت کروشی یدشناسی، یج جہوشی دداسی یت
یت تپسیسی کونتیہ تت کرو شو مدرپنم ۹/۲۷

ارتھات:۔ "تو جو کچھ کرم کرتا ہے۔ جو کچھ کھاتا ہے۔ جو کچھ ہون کرتا ہے۔ جو کچھ دان دیتا ہے۔ جو کچھ سودھرما چرن روپ تپ کرتا ہے۔ وہ سب میرے ارپن کر" ایسا کرنے سے وُہ بھگوان کو ہی پراپت ہوتا ہے۔ واستو میں یہی نشکام کرم یوگ ہے۔ گیتا بھگوتی کے انوسار یہی کرم یوگ ہے۔ اور اسی کو ہی "یوگ" کہا گیا ہے اور ایسا کرم کرنے والے کو ہی "یوگی" سمجھا گیا ہے۔ یوگ کرم سُو کوشلم اس حقیقی سے کرم کرنے کو ہی یوگ کہا گیا ہے جس میں پھل کی اکانکشا ہی نہ ہو۔ کیول کرتویہ سمجھ کر ہی کرم کیا جائے۔

جگیاسو:۔ مہاراج کرتویہ اور دھرم میں بھی کوئی انتر ہے یا یہ ایک ہی وستو ہے، کچھ اس پر ادشیہ پرکاش ڈالیں۔

مہاتما:۔ کسی وشیش پرستھتی میں جیسا ورتنا یا کرم کرنا، کسی ویکتی کے لئے اس کے ورن آشرم کے انوسار اچت ہو، وہی اس کا کرتویہ ہے۔ اور وہی دھرم ہے۔ دھرم وہ ہے جس کو دھارن کیا جائے۔ اسی کو انگریزی میں ڈیوٹی کا نام دیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ اکثر ہم یہ سمجھتے ہیں۔ کہ ہمارا کرتویہ یا دھرم کیا ہے۔ غلطی کھا جاتے ہیں۔ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو شری بھگوان ارجن کو سنمکھ رکھ کر گیتا کا اُپدیش ہی کیوں کرتے۔ ارجن میدان جنگ میں جا کر جہاں وُہ محض لڑنے کے لئے گیا تھا۔ گھبرا جاتا ہے۔ اور لڑنے سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وُہ اپنے فرض کی ادائیگی ہی کرنا بھول گیا۔ اس موقعہ پر شری بھگوان نے اسے سمجھایا، کہ تم جس ارادے یا اُدیش سے یہاں آئے ہو وُہ پورا کرو۔ اسوقت اپنے سگے سمبندھیوں کے لئے موہ وش ہو کر ہتھیار چھوڑ دینا، تمہارے دھرم کے ورودھ ہے۔ یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لو۔ کہ جس سمے دلیش کی سبھیتا اور سنسکرتی کی ہتیا ہو رہی ہو۔ غنڈوں کے حملوں سے مائیں، بہنیں دکھی ہو رہی ہوں۔ اسوقت ایکانت ستھان میں بیٹھ کر تمہارے لئے مالا پھیرنا دھرم نہیں رہ جاتا۔ اور شانتی شانتی "کا پاٹھ بے معنی ہو جاتا ہے۔ اس وقت بھگوان تلسی کی پتی یا پھول ارپن کئے جانے سے پرسن نہیں ہوتے۔ اور سنئے۔ ایک استری سادھوی ہے۔ بھجن کرتی ہے۔ لیکن گھر میں ساس بیمار پڑی ہے۔ اُسے پانی کون دے، اس وقت اس کا بھجن ساس کی سیوا ہی ہو جاتا ہے۔ اس کو ساکشات بھگوان سمجھ کر اس کی سیوا کرنے سے وہی پھل پراپت ہوتا ہے۔ جو بھگوان کی سیوا سے۔ یدی وقت ملے تو مالا بھی پھیرو۔ رام رام بھی کہتے چلو اور کام بھی کرتے جاؤ۔ ارتھات کرتویہ کا پالن کرنا کبھی نہیں بھولنا چاہیئے۔ اگر ہمارا سب کرم بھگوت بھاو سے اوت پروت ہو تو کام ہو گا چاہے وہ دلیش سیوا ہو۔ چاہے کوئی اور کرم ہو۔ اسی میں ہمارا کلیان ہے۔

(جگناتھ کھنہ صفی)

# ذاتِ باری

از۔ شری جگن ناتھ جی کھنہ بی اے بی ٹی

کچھ نہیں ذاتِ احد کے ماسوا کچھ بھی نہیں
آب و آتش کچھ نہیں ارض و سما کچھ بھی نہیں

انتشارِ ہستئ مطلق، ہے بس پیشِ نظر
دیکھتے ہیں جس طرف اُسکے سوا کچھ بھی نہیں

جلوہ ہائے ذاتِ باری رونما ہیں ہر طرف
ذاتِ مطلق کے سوا یاں دوسرا کچھ بھی نہیں

صورتِ گُل ہے گلستاں ہیں تو خارِ دشت بھی
ہے وہی اس کے سوا بادِ صبا کچھ بھی نہیں

ہے چٹک غنچہ کی خود وہ اور بلبل کی چہک
ماسوا اس کے صفی رنگِ حنا کچھ بھی نہیں

رنگ و بو ہر خود وہی ہر شور و شر وہ خود تمام
رونقِ باغِ جہاں اس کے سوا کچھ بھی نہیں

عشق خود ہے حُسن خود ہے اور خود ہی مبتلا
اور پھر دلدار بھی اس کے سوا کچھ بھی نہیں
غیر آں پھر شوخ کی ناز و ادا کچھ بھی نہیں

# شیطان کا تاسف

قسط نمبر 5

## باب پنجم

از لالہ کانشی رام چاولہ ۔ لدھیانہ

**پس منظر:** — ملک برطانیہ کے ایک غریب گھرانے میں پیدا شدہ مسٹر جافری لمپیٹ نے بڑی جدوجہد سے تعلیم حاصل کی اور پھر بڑی دوڑ دھوپ کر کے ایک عارضی ملازمت حاصل کی لیکن وہ بھی قائم نہ رہ سکی۔ فاقوں کی نوبت آئی۔ اتنے میں یک لخت اس کو اپنے ایک لاوارث رشتہ دار کا بھاری ورثہ ملنے کی خبر ملی۔ اور ساتھ ہی اس کے ایک پرانے دوست نے ایک شاہزادہ کو اپنا تعارفی خط دیکر بھیجا اور لکھا کہ وہ اس کے اس مصیبت کے زمانہ میں بہت مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ اب آگے پڑھیے

---

میرے اس دوست کو ہم پیار اور مذاق سے کالج میں "بوفلز" کہہ کر پکارا کرتے تھے اور پہلے وہ اسی نام سے اپنے خطوط پر دستخط کیا کرتا تھا۔ لیکن اس خط پر اس نے اپنا اصلی نام لکھا تو مجھے عجیب سا معلوم ہوا بلکہ مجھے کچھ رنج سا محسوس ہوا۔ کیونکہ دوسرے نام کے لکھنے سے تو پیار ٹپکتا تھا۔ پھر اس خط کا مضمون بھی ایک رسمی قسم کا اور روکھا پھیکا اور ایسا دکھائی دیتا تھا جیسے کسی دوسرے آدمی نے بول کر اپنے دباؤ سے لکھایا ہو۔ یہ خیال مجھے کیوں آیا۔ اس کی وجہ میں نہیں سمجھ سکا۔ خط پڑھنے کے بعد میں نے اس خاموش بیٹھے ساتھی کی طرف ذرا دھیان سے نگاہ ڈالی۔ اس نے میری دلی کیفیت بھانپ لی، اور اس نے بھی میری طرف ذرا ٹکٹکی باندھ کر دیکھا۔ اس خوف سے کہ میری نگاہوں نے میرے اندرونی شکوک اس آدمی پر ظاہر نہ کر دیئے ہوں۔ میں جلدی سے بول اٹھا۔

"شاہزادہ صاحب! اس خط نے میرے سر پر اور بھی اور بھی منوں پانی ڈال دیا ہے اور مجھے غائیت درجہ کا افسوس اور شرمندگی ہے کہ اس وقت میں نے نہایت ذلیل حالت میں آپ کا شرفِ ملاقات حاصل کیا ہے۔ اس بداخلاقی کی تلافی کسی صورت میں بھی نہیں ہو سکتی آپ اس بات کا اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس شکستہ حالی میں آپ سے ملاقی ہو کر میں کتنا نادم ہوں۔ یہ مقام ہرگز ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ میں یہاں آپ کا تعارف حاصل کرتا" — اتنا کہہ کر میرا دل بھر آیا اور میں من ہی من میں کڑھ رہا تھا کہ حالانکہ اتنی بڑی وراثت کے مل جانے سے میں بڑا بھاری امیر آدمی بن گیا ہوں، لیکن پھر بھی میں خستہ حال دکھائی دے رہا ہوں۔ شاہزادے نے میری سراسیمگی کو بھانپ لیا۔ اور اپنے ہاتھ کے اشارے سے مجھے اطمینان سا دلاتے ہوئے کہا۔ "دوست! اس میں ندامت کی کون سی بات ہے، برخلاف اسکے آپ کو تو اس بات کا فخر ہونا چاہیئے، کہ آپ نے ظاہری نمائش کو تلانجلی دے رکھی ہے۔ ذہانت تو جھونپڑی میں ہی نشو و نما پاتی ہے۔ لیکن محلات میں جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے"۔ میں نے کہا، کہتے تو ایسا ہی ہیں لیکن یہ اصول صداقت کی کسوٹی پہ پورا نہیں اترتا۔ ہو سکتا ہے کہ ذہانت پر محلات کا کچھ بداثر پڑتا ہو۔ لیکن فاقہ کشی میں تو وہ ہرگز یہ زندہ نہیں رہ سکتی۔

وہ بولا۔ "میں نے مانا۔ لیکن ذہانت کا اگر اس طرح سے خاتمہ ہو بھی جائے۔ تو بھی بعد میں وہ سینکڑوں احمقوں کا پیٹ پالتی ہے۔ میرے دوست! اس بارہ میں ذہن کل مالکِ اعلیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ دیکھو! فنِ موسیقی کا ماہر شیبرٹ خود تو غربت اور ناداری کی حالت میں ہی چل بسا، لیکن اس کے تیار کردہ راگ اور راگنیوں سے کتنے موسیقی کے شائقین نے فائدہ اٹھایا ہے۔ قدرت کا یہ ایک گہرا اور حسین اصول ہے کہ نیک انسان تو قربانی کا بکرا بنیں اور بدلوگ اس سے مستفید ہوں۔" یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگا۔ لیکن مجھے اس کی یہ بات سن کر بڑی حیرت ہوئی۔ کیونکہ کم و بیش میں بھی اسی خیال کا آدمی تھا۔ میں سوچتا تھا۔ کہ آیا اس نے یہ بات واقعی صدقدلی سے کہی ہے یا محض مذاق کے طور

تب میں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بات طنزاً کہی ہے اور جو کچھ آپ نے فرمایا ہے، دل سے نہیں کہا ہے یعنی آپ کا اس اصول پر اعتقاد نہیں ہے۔" یہ سن کر اس نے اپنی آنکھیں اوپر اٹھائیں، ان میں ایک حیرت انگیز چمک تھی۔ اور پھر وہ بولا:۔ "یہ آپ نے کیا کہا، اگر مجھے اپنے ہی تجربات کے نتائج پر اعتقاد نہیں، تب میرے پلے ہی کیا رہ جاتا ہے۔ مجھے اپنی زبان سے نکلے الفاظ کا احساس ہے۔ جو اصول میں نے بیان کیا ہے اسکی صداقت کی تردید نہیں ہو سکتی، اس دنیا کو شیطان اپنے چابک سے چلاتا ہے اور حیرانی اس بات کی ہے کہ وہ یہ کام بڑی کامیابی سے کرتا ہے۔ (اس بارہ میں اس امر کو فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ پھر بھی لوگ خدا کی موجودگی پر ایمان رکھتے ہیں)۔ جب وہ آدمی یہ باتیں کہہ رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ اس کی پیشانی پر سیاہی سی آگئی۔ اور اس کے چہرہ کی لکیریں زیادہ گہری اور سخت ہوگئیں۔ اتنا کہکر وہ ہلکی سی ہنسی ہنسا اور پھر اس نے کہنا شروع کیا۔ "لیکن ہم کو اخلاق و ایمان کے جھنجٹ میں نہ پڑنا چاہیئے۔ ان سے تو انسان کی جان تنگ آجاتی ہے۔ ہر ایک صاحب فہم انسان یہ بات سننا پسند نہیں کرتا کہ وہ کیا بن سکتا ہے اور کیا نہیں بن سکتا۔ میں تو آپ سے دوستی کا ناطہ پیدا کرنے کے لئے آیا ہوں، بشرطیکہ آپ بھی اس کے لئے تیار ہوں، اور قصہ کوتاہ تکلف سے کام نہ لیتا ہوا میں چاہتا ہوں، کہ آپ ابھی میرے ساتھ میرے ہوٹل میں تشریف لے چلیئے، ہم دونوں وہیں اکٹھے کھانا کھائیں گے۔

اس دوران میں میرے اندر اس آدمی کے لئے ایک کشش سی پیدا ہو گئی تھی، کیونکہ ایک تو وہ خوش شکل تھا، دوسرے تکلف سے کام نہ لیتا تھا، اور تیسرے اس کی آواز میں ایک شیرینی تھی۔ پھر اس کی خوش مزاجی مجھے بہت پسند تھی۔ اس لئے مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میری اس کے ساتھ خوب گھٹیگی۔ ان تمام وجوہات سے مجھے جو دلی رنج اپنی ناداری کی وجہ سے ابتدا میں ہوا تھا، وہ اب کافی کم ہو گیا تھا۔

میں نے جواب دیا، آپ کی بڑی نوازش ہے، اور میں بخوشی آپ کے ساتھ چلوں گا، لیکن پہلے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو میرے دوست جون کورنگٹن سے میرے حالات سے تو کافی آگاہی ہو چکی ہو گی اور جیسا کہ میرے دوست کے خط سے ظاہر ہوتا ہے، آپ یہاں میرے پاس محض اپنی ذرہ نوازی اور عنایت فرمائی کے باعث تشریف لائے ہیں۔ آپ کی اس بندہ نوازی کا میں از حد مشکور ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ یہاں پر یہی خیال دل میں لے کر آئے ہوں گے۔ کہ آپ ایک قلاش اور کنگال آدمی کو مایوسی اور ناداری کی حالت سے دوچار ہوتے ہوئے دیکھیں گے۔ اور اگر آپ اس سے دو گھنٹہ پیشتر یہاں قدم رنجہ فرماتے، تو واقعی میری ایسی ہی حالت تھی، لیکن میری قسمت نے یاوری کی ہے اور حالات نے پلٹا کھایا ہے۔ ابھی ابھی مجھے ایک اطلاع آئی ہے، جس نے مجھے کچھ سے کچھ بنا دیا ہے۔ حقیقتاً آج شام کو وہ خبر پا کر میں تو بھونچکا سا ہی رہ گیا ہوں۔

یہ سن کر میرا ساتھی بڑی لطافت سے گویا ہوا کہ ماشاءاللہ وہ خبر نیک ہی ہو گی۔ اس کے ایسا کہنے پر میں مسکرا دیا۔ اور اس کے ہاتھ میں وکیل کا بھیجا ہوا وہ وراثت پانے والا خط دیتے ہوئے میں نے کہا، اسے ملاحظہ فرما کر آپ خود ہی اندازہ لگا لیجیئے۔ اس نے اس خط پر جلدی جلدی نگاہ دوڑا کر اسے تہ کیا، اور مجھے واپس دیتے ہوئے بڑے انداز سے سر جھکا دیا اور بولا:۔ "میں خیال کرتا ہوں کہ مجھے آپ کو مبارک باد دینی چاہیئے۔ اور اس لئے میں مبارکباد عرض کرتا ہوں۔ اگرچہ یہ دولت، جس کو پا کر آپ مطمئن سے ہو رہے ہیں۔ میری نگاہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ یہ تو سات آٹھ سال کے عرصہ میں ہی کھائی پی جا سکتی ہے۔ اس لئے اتنی دولت سے عمر بھر کے تفکرات سے تو چھٹکارا نہیں مل سکتا۔ میرا خیال ہے کہ حقیقی معنوں میں امیر بننے اور امیر کہلانے کے لئے کم از کم دس لاکھ پونڈ کی سالانہ آمدنی ہونی چاہیئے تب آدمی روز روز کے جھنجٹ سے فارغ البال ہو سکتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ ہنس پڑا، اور میں استعجاب سے اس کا چہرہ تکنے لگا۔ مجھے سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ میں اس کی بات کو ایک حقیقت سمجھوں یا محض لاف زنی، وہ پچاس لاکھ پونڈ کی بڑی رقم کو حقیر بتا رہا تھا۔ لیکن میری حیرانی کی طرف توجہ نہ دیتے ہوئے، وہ پھر کہنے لگا:۔ "میرے پیارے دوست! انسان کی حرص کی بھوک تو کبھی مٹ نہیں سکتی۔ اگر ایک چیز کی تمنا اسے مطمئن نہیں کر سکتی، تو دوسری چیز کی طلب کھڑی ہو جاتی ہے، اور اس کا مذاق بھی اونچا ہوتا جاتا ہے۔ مثلاً تمہاری

پچاس لاکھ کی رقم تو چند خوبرو نے اور بد خوئے عورتیں اپنے زیورات کی خریداری میں ہی صرف کر دیں گی۔ گھوڑ دوڑ میں حصہ لینے سے تو اتنی رقم اور بھی جلدی ختم ہو جائے گی۔ نہیں، نہیں! یہ رقم پاکر آپ اپنے آپ کو امیر نہ سمجھیں۔ آپ اب بھی غریب ہیں۔ محض آپ کی ضروریات پیش پیش نہیں آئیں۔ اس بات میں میں آپ سے متفق ہوں کہ مجھے قدرے مایوسی ضرور ہوئی ہے، کیونکہ میں آپ کے پاس یہ خیال لے کر آیا تھا کہ ایک مستحق انسان کی کچھ خدمت کر سکوں۔ اور ایک صاحب جو ہر و ادراک آدمی کے کام آسکوں۔ بے شک، آپ کو یہ کچھ رقم مل گئی ہے، لیکن میں اب بھی آپ کی خدمت کے لئے بدستور حاضر ہوں۔ ہے تو یہ ایک عجیب بات، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ جب کبھی میری توجہ کسی انسان کی طرف ہوئی ہے، تو اس کو میں نے پورے طور پر نبھایا ہے، اگرچہ اس کا کافی بوجھ مجھ پر پڑا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ اچانک رک گیا، اور کچھ سننے کے لئے سر اونچا کر کے اس نے پوچھا۔ یہ کیا آواز آرہی ہے؟ میں نے کہا کہ پڑوس میں ہی کوئی وائلن پر راگ الاپ رہا ہے۔ یہ سن کر اس نے اپنے کندھے کو جنبش دیتے ہوئے کہا کہ یہ تو بڑا غمناک الاپ ہے۔ مجھے تو اس قسم کے اداسی بھرے راگ پسند نہیں ہیں ——— خیر، اچھا! — اب تو آپ لکھ پتی بن چکے ہیں، اور جلدی ہی سوسائیٹی کے مکھیا بن جائینگے اس لئے اب تو میرے ساتھ کھانا کھانے میں کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیئے، اور اس کے بعد اگر آپ چاہیں تو گانا بجانا بھی ہو جائے فرمائیے، ایسا ہی رہے نا ——— !

تب اس نے پیار سے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھا اور غور سے میرے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کی جادو بھری آنکھوں میں آنسو بھی تھے اور جوش بھی۔ اس کی نگاہ نے مجھے ایک طرح سے رام کر لیا۔ اگرچہ میں اس آدمی سے ابھی ابھی ملا تھا۔ لیکن جو کشش میرے اندر اس کے لئے پیدا ہوئی اسے روکنے کی میں نے کوئی کوشش نہ کی، کیونکہ مجھے ایک لطف سا محسوس ہو رہا تھا۔ تاہم میں نے پھر جب اپنے بھدّے لباس پر نگاہ ڈالی، تو مجھے تامل سا ہوا۔ اور میں نے کہا، شاہزادہ صاحب! اس حالت میں میں آپ کے ہمراہ جانے کے قابل نہیں ہوں، اس لباس میں تو میں لکھپتی دکھائی دینے کی بجائے ایک آوارہ گرد سا معلوم ہوتا ہوں۔ یہ سن کر اس نے میری طرف دیکھا، اور مسکراتے ہوئے کہا کہ اگر آپ کا خیال درست بھی ہو، تب بھی آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ بڑے آدمی ہمیشہ سادہ لباس پہنا کرتے ہیں۔ بھڑکیلے اور نمائیشی کپڑے تو جاہل اور متکبّر آدمی یا عیاش عورتیں ہی پہننا پسند کرتے ہیں۔ ایک بھدّا سلا ہوا کوٹ آپ وزیر اعظم کے گلے میں ہی دیکھیں گے۔ جس عورت کو تم سیدھی سادی سلائی کے کپڑے پہنے ہوئے دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ پاکیزہ سیرت خاتون ہے۔ یا کسی اعلے گھرانے سے تعلق رکھنے والی شریف زادی ہے۔ بھدّی سلائی کے کوٹ میں کیا برائی ہے اگر اس کے کیسے پر ہوں۔ ذرا اس بات کا علم ہونے دو، کہ آپ لکھ پتی ہیں، تو کوئی بڑا درزی آپ کے موجودہ لباس جیسا ہی کوئی نئے ڈیزائن کا لبادہ سی کر لے آئے گا۔ بس تامل چھوڑ دو اور اٹھو، آپ کے وکیل کے خط نے تو آپ کی بھوک بھی تیز کر دی ہوگی۔ اب آپ چلئے اور میرے ساتھ کھانے کا لطف لیجئے۔ ہاں! ایک بات اور بھی، جب تک آپ کا وکیل قانونی کارروائی میں وقت لگائے، اس وقت تک مجھے ہی اپنا خزانچی تصوّر کیجئے۔

اس نے یہ پیشکش اتنی خوش خلقی اور پیار سے کی کہ میں نے وہ منظور کر لی۔ اور اس سے میرے سر سے سارے بوجھ اتر گئے۔ میں نے تب جلدی سے چند سطور مالکہ مکان کے نام لکھ دی کہ اس کے کرایہ مکان کی رقم اگلے دن ڈاک کے ذریعہ پہنچ جائے گی، اور پھر اپنی کتاب کا مسودہ جو کہ لے دے کر ساری پونجی اس وقت تھی۔ اپنی جیب میں ڈالا۔ چراغ گل کر دیا اور اس ردّی ترین مقام کو چھوڑ کر اپنے نئے دوست کے ہمراہ ہو لیا۔
مجھے اس بات کا گمان بھی نہ تھا کہ کوئی وقت آئے گا کہ اسی مکان میں گذارے ہوئے زمانہ کی مجھے پھر یاد آئے گی۔ انسان اپنے مستقبل کی اچھائی یا برائی کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں نے خوشی خوشی اس غلیظ مکان کو چھوڑتے ہوئے ایسا خیال کیا کہ میں جہنم سے رہائی پا رہا ہوں، لیکن جب اس مکان سے اپنے دوست کے ساتھ میں نے قدم باہر رکھا ہی تھا تو پھر وائلن کے بجنے کی آواز آئی اور اس میں سے ایک نہائیت رقت انگیز اور درد بھرا الاپ نکلا۔

(باقی پھر)

# دُنیا

از قلم ڈاکٹر راج بہادر ورما راز — بریلوی!

کب تک لبوں کو مائلِ فریاد بنائیں — کب تک جگر کو تختۂ بیداد بنائیں
کب تک جہانِ عیش کو برباد بنائیں — کب تک دلِ سکون کو ناشاد بنائیں
دُنیا یہی دُنیا ہے تو کیا یاد کریں گے

آنکھوں کے رہے جو کبھی ماں باپ کے تارے — روتے ہیں بلکتے ہیں سسکتے ہیں بچارے
ملتے نہیں اُن کو کہیں روزی کے سہارے — مُنہ سوکھ گیا خشک زباں پھونک کے مارے
دُنیا یہی دُنیا ہے تو کیا یاد کریں گے

پستی سے اُبھرتا نہیں قسمت کا ستارا — ہر نقشِ قدم ڈوبتا جاتا ہے ہمارا
گرداب میں کشتی ہے نہیں کوئی سہارا — موجوں پہ تلاطم ہے بہت دُور کنارا
دُنیا یہی دُنیا ہے تو کیا یاد کریں گے

ہر گل ہے جو پژمردہ تو ہر غنچہ پریشان — ہر برگ کے چہرے سے اُداسی ہے نمایاں
نالوں سے ہے بُلبل کے بھرا صحن گلستاں — ہے آج بھی موندے ہوئے آنکھوں کو نگہبان
دُنیا یہی دُنیا ہے تو کیا یاد کریں گے

ہر رازِ صداقت بھی ہے اک قصۂ باطل — ہر رمزِ حقیقت بھی ہے بے معنیٔ حاصل
منزل سے الگ رہ گئی دُشوارئ منزل — ہر شخص پریشان ہے ٹوٹا ہے ہر اک دل
دُنیا یہی دُنیا ہے تو کیا یاد کریں گے

# مسرّت کی تلاش!

شری ایس ایم گند ھرو
مغل سرائے

جب میرے تخیّل کا طائر انتہائی بلندیوں پر محوِ پرواز ہوتا ہے اور اس بلندی سے دُنیا اور دُنیا والوں پر نظر ڈالتا ہے، تو دیکھتا ہے کہ دُنیا کا ہر فرد مسرّت کی تلاش میں سرگرداں، اور سرگرم عمل ہے ـــــ دولت و ثروت، عزّت و وقار، اعزاز و افتخار ـــــ یہ سب مسرّت اور خوشی کے ہی مختلف رُوپ ہیں۔ لیکن مشاہدہ سے عیاں ہے کہ جتنی کاوش اور کوشش سے مسرّت کی جستجو کی جاتی ہے، یہ اُتنی ہی دُور ہوتی جاتی ہے، اور انسان آلام و مصائب، یاس و حسرت کے صحرا میں گم کردہ راہ رو کی طرح محروم دم توڑ دیتا ہے، ایسا کیوں؟ اس لئے کہ ہم اپنی زندگی کی شاہراہ کو قدرت کے نظام کے مطابق ہموار نہیں رکھتے۔ نہ کوئی کام کرتے وقت نیکی اور سچائی کے سُنہرے اصُولوں کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ دولت جمع کرنے کے لئے، عزّت و وقار حاصل کرنے کے لئے خواہشات سے مغلوب ہو کر عیش و عشرت کے جُھولے جھُولنے کے لئے ہر طرح کے جعل، دکپٹ، مکر، فریب، دھوکہ اور جھُوٹ کو بروئے کار لاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غلط طریقوں سے بٹوری ہوئی دولت مسرّت اور خوشی دینے کی بجائے زحمت اور کلفت دیتی ہے: بُرے خیالات اور بُرے کاموں کا عادی ہونے سے ذہن میں بُرے، گندے اور نفرت انگیز خیالات جمع ہو جاتے ہیں۔ اور نیکی اور سچّائی اور اچھائی کے خیالات ذہن میں مدھم ہوتے ہوئے آہستہ آہستہ معدُوم ہو جاتے ہیں۔ اُن کے ساتھ ہی زندگی سے خوشی بھی معدُوم ہو جاتی ہے، اس لئے بُرے خیالات سے دل کے دامن کو بچا کر سچائی، نیکی اور بھلائی کے خیالات ذہن میں سمونے چاہئیں، تاکہ بُرے خیالات کی تاریکی ذہن سے اس طرح کافور ہو جائے، جیسے آفتاب کی کرنوں سے رات کا اندھیرا دُور ہو جاتا ہے۔

---

جوں جوں نیکی اور سچائی کے خیالات ذہن میں اکٹھے ہونے لگتے ہیں۔ بدی اور بُرائی کے خیالات ـــــ ناکامی، نااُمیدی اور نامرادی کے خیالات کے کانٹے، جو تکالیف، مصائب اور رنج و محن کا باعث بنتے ہیں۔ مسرّت، انبساط، کامرانی، پریم اور پیار کے خوشنما، خوب صورت پھُولوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور پھر ـــــ نااُمیدی، ناکامی، نامرادی اور یاس و حسرت کے کانٹوں پر سونے سے مسّرت کے پھُولوں کی سیج پر سونے کی سی راحت محسوس ہوتی ہے۔ قدرت چاہتی ہے کہ انسان زیادہ سے زیادہ خوشی اور مسّرت سے لُطف اندوز ہو۔ خوشی، انبساط، دلکشی، خوبصورتی اور رعنائی کی کرنیں انسان کی زندگی کو حسین اور روشن رکھنے کے لئے ہر لمحہ نوُر اور ضیاء بکھیرتی رہتی ہیں، تاکہ دُکھ درد، رنج و غم اور مایُوسی کا اندھیرا اس پر اپنا منحوس سایہ نہ ڈال سکے۔

---

کسی دُشمن کی دُشمنی، مخالفت، عداوت، نفرت اور حقارت کو انہیں حربوں سے دُور کرنا ناممکن ہے، کیونکہ بغض سے بغض، نفرت سے نفرت اور حقارت سے حقارت کم ہونے کی بجائے بڑھتی ہے۔ زندگی جو پرماتما کا سب سے بڑا گرانقدر عطیّہ ہے۔ اس کی دلکشی، رعنائی اور رنگینی کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے ہی میں راحت ہے۔ سکون ہے، امن ہے، شانتی ہے۔ اس لئے دل میں زیادہ سے زیادہ قوتِ برداشت، جذبہ عفو پیدا کرتے ہوئے دُشمن کی بُرائیوں کو نظر انداز کر کے اس

سے ہم آہنگی اور خیر سگالی پیدا کرنی چاہیئے۔ سچائی اور پُر خلوص محبت سے بڑے سے بڑے، بڑے سے بڑے دُشمن کو بھی بھلا اور اپنی بھلائی چاہنے والا بنایا جا سکتا ہے، تنہائی میں، دِل کی گہرائیوں سے، خاموش آواز سے کہا جائے۔ "دُنیا میں ہمارا کوئی بیری، وِرودھی، دُشمن، مخالف اور بُرائی کرنے والا نہیں ہے۔ کسی کے لئے کسی وقت بھی ہمارے دِل میں حقارت، نفرت اور بُرائی کے خیالات پیدا نہیں ہو سکتے" تو کوئی وجہ نہیں کہ دُنیا سے بیر اور بُرائی، نفرت اور عداوت ختم نہ ہو جائے۔

---

جب کوئی شخص ہمیں زبان اور عمل سے دُکھ پہونچاتا ہے، ذلیل کرتا ہے۔ ہمارے جذبات کو زخمی کرتا ہے۔ ہمارے آرام و آسائش کے ذریعہ کو مٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ تو ہمارے دِل میں اُس کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ذہن نیکی، خلوص، محبت اور ہمدردی سے بے نیاز ہو کر بُغض اور کینہ کے جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ ہر وقت سوتے، جاگتے، چلتے، پھرتے، اُٹھتے، بیٹھتے اسی خیال میں منہمک رہتا ہے کہ کسی دھوکہ اور فریب سے دُشمن کو دُکھ پہنچا کر بدلہ لیا جائے۔ ہماری آنکھیں اُسے دُکھ اور مُصیبت میں تڑپتے سسکتے دیکھ کر مُسرت حاصل کرنے کی مُتمنی ہوتی ہیں۔ اُس وقت ہم اِس سُنہرے اصُول کو فراموش کر دیتے ہیں کہ کسی سے بدلہ لینے کی خواہش اچھائی نہیں ہے، کسی کو دُکھ پہونچا کر، اذیت دے کر، ذلیل کر کے کبھی راحت اور سکُون حاصل نہیں ہو سکتا!

---

بے بُنیاد توہمات سے خوف و ہراس جب دِل و دماغ پر چھا جاتے ہیں تو رنج و غم اور نا خوشی پیدا ہوتی ہے، ہر طرف تکالیف مُصائب کے ڈراؤنے، مہیب اور بھیانک مناظر فلم کی ریل کی طرح آنکھوں کے سامنے ناچنے لگتے ہیں۔ ہر طرف دُکھ اور عذاب کے بادل چھائے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ یہ رنگ رنگیلی، خوبصورتی اور رعنائی سے جگمگاتی دُنیا جہنم سے بدتر معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جوں ہی حوصلہ افزا، رُوح افزا اور دِل کو ڈھارس دینے والے خیالات پیدا ہوتے ہیں اب بے بُنیاد دُکھوں کے بادل بکھر جاتے ہیں اور خوشی کا سُورج چمکنے لگتا ہے۔

---

جب غرُور اور تکبّر دِل و دماغ سے ہم آہنگ ہوتے ہیں، تو انسان خوُدپسندی، خوُدبینی اور خوُد آرائی اور خود پرستی سے متاثر ہو کر اپنے آپ کو دُنیا میں سب سے زیادہ دانائی اور عقل و شعور کا حامل تصوّر کرتا ہے، اُس کے نزدیک کسی کی نیک صلاح کو ماننا، اچھے سے اچھے مشورہ پر عمل کرنا، اس کی دانائی اور بڑائی کی توہین کے مترادف ہے۔ انسانیت اور انسانیت کی قدروں کی اس کے دِل میں کوئی وقعت نہیں رہتی، ہر وقت اپنے ابھیمان بھرے خیالات میں مگن رہ کر خوُشی اور راحت کا متمنی رہتا ہے۔ ہو سکتا ہے، وقتی طور پر نہایت خفیف سی مدھم سی راحت کی روشنی حاصل ہو سکے لیکن جلد وہ وقت آجاتا ہے۔ جب ایسا انسان دُکھ کے اندھیرے گڑھے میں گر جاتا ہے۔ جہاں نیکی، سچائی اور مُسرت کی روشنی پہونچ نہیں سکتی۔ ایسے خوفناک گڑھوں میں گرنے سے بچنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ زندگی کا سفر طے کرنے کے لئے ایسا راستہ منتخب کیا جائے، جو برداشت، ضبط، درگذر، نرمی، رواداری اور محبّت کی روشنی سے روشن ہو۔

---

نیکی اور راستی پر مبنی خیالات کی روشنی میں، ایکاگر چیت سے ضمیر کی آواز کو سُن کر اور اُس پر عمل پیرا ہو کر زندگی کی شاہراہ پر گامزن ہونے سے ایسی لازوال خوشی اور مسرت حاصل ہو سکتی ہے، جسے کوئی چھین نہیں سکتا۔ یہ مدھر، مدھر، میٹھی میٹھی جھینی، جھینی، آواز قدرت کے لافانی، ابدی اور انادی خوُشیوں اور مسُرتوں کے سر چشمہ (جس کی وُسعتوں کا اندازہ انسانی شعور سے بالاتر ہے) سے ظہور پذیر ہو کر رُوحانی نغموں، عرفانی گیتوں، محبت کے راگوں اور پریم کے ترانوں کے رُوپ میں کائنات کے ذرہ ذرہ

سے، خاموش آواز میں ہر وقت نغمہ ریز ہے۔ جس نے آبِ گنگا سے پوتر آب زم زم سے پاکیزہ، آبِ حیات سے برتر، نئے کھلے کنول سے انتہائی سُندر، موسم سرما کی پورنیما کے چاند سے دلکش، آلائشوں سے پاک، خوشی اور سرور برساتی ہوئی اس مقدس آواز کو سُنا، اُسے اور کچھ سُننے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اِسے جان کر اور جاننا باقی نہیں رہتا۔ اُس کی تمام خواہشیں، تمنائیں، آرزوئیں۔ اسی سرور آگیں اور راحت بخش مسرت میں ڈوب جاتی ہیں۔ جنم جنمانتر سے خوابِ غفلت میں پڑے حقیقی سُکھ اور سرور کے پرمانوں کروٹیں لینے لگتے ہیں۔ جیسے ہر طرف لازوال آنند کا ساگر اُمڈ آیا ہو۔ جیسے اتھاہ اور اکھنڈ آنند کی جوتی کا پرکاش ہر طرف پھیل گیا ہو۔ اور پھر ــــــ وہ سب کو آپ میں اور آپ کو سب میں دیکھتا ہے۔ اُس کی زندگی کا ہر لمحہ سب کی بھلائی کے لئے ہوتا ہے، اپنے آپ کو محدود نہ سمجھ کر لامحدود کا حصہ محسوس کرتا ہے اور دُنیا کی ہر چیز اُسے خوشی اور مسرت کا پیام دیتی ہے۔

---

# برباد نہ کر میرا خرمن اس برق تپاں کو کون کہے

از دیوان پنڈت اس قمر امیر الشعراخطاب یافتہ از انجمن لکھنؤ وظیفہ یافتہ از سرکار عالیہ سوراج گورنمنٹ قسمر گٹیا نبداین

---

ہرگز نہ بھلا تم ہی کرشن ہرے مجھ گنگ زباں کو کون کہے
تو راہِ عمل کو چھوڑ نہیں گمراہ جواں کو کون کہے

خاموشی سے تو دیکھ اسے اور صبر سے آفت ٹال اچھا
پہلو میں شکایت ہے تیرے یہ آہ و فغاں کو کون کہے

چرنوں کو دھلا کر ٹھہر ذرا ہم پیاس بجھانے ٹھہریں
اے موہن اس جمنا کے دریائے رواں کو کون کہے

کب ایک زباں سے ممکن ہے تعریف کنہیا گردھر کی
مصروف ثنا کچھ اور رہو یہ حسنِ بیاں کو کون کہے

دیکھے اس کا سہارا ہے اور ہستی اس پر قائم ہے
برباد نہ کر میرا خرمن اس برقِ تپاں کو کون کہے

حسرت ہے ابھی پھولا بھی نہیں کھولی کہ تار ہا ہوں
کچھ میرے چمن سے دور رہو یہ بادِ خزاں کو کون کہے

جو بنسی دھر کی آنکھیں ہیں وہ ابرِ کرم برساتی ہیں
مشہور جو چشمِ حسرت ہے اس چشم کو گریاں کون کہے

# ساتوک وچار دھارا

از شری
شمبھو سیلانی

جو کچھ ہم اپنی روزانہ زندگی میں دیکھتے ہیں، بولتے ہیں۔ سُنتے ہیں۔ اُس کا ہمارے من رُوپی ہردے پر نقش سا۔ چتر سا کھنچ کر رہ جاتا ہے۔ جس پرکار کیمرے کے سامنے جو بھی وستو آتی ہے، خواہ وہ اچھی ہو، خواہ بُری۔ خواہ وہ ایک سُندر رُوپ ہو، خواہ ایک ٹوٹی پھوٹی پرانی عمارت۔ لینز دوارا اُسی کا فوٹو اُسی کا عکس، کیمرے کے پردے پر، کیمرے کی ریل پر آجاتا ہے۔ اس میں کیمرے کا کوئی دوش نہیں کہ اُس نے بھدی یا بُری فوٹو کیوں کھینچی، اس میں فوٹو کھینچنے والے کا دوش ہے کہ اُس نے ایسے چتر کیوں لئے۔

اس پرکار اگر ہمارے من رُوپی پردے پر بڑے بڑے چتر کھنچتے ہیں تو اس میں بھی کسی دُوسرے کا دوش نہیں۔ اس میں ہمارا اپنا ہی دوش ہے۔ کیونکہ جب ہم نے ان آنکھوں دوارا جو کہ ہمیں ست وستو کے دیکھنے۔ جاننے اور ست وستو کا گیان پراپت کرنے کے لئے ملی تھیں۔ کسی بُری وستو کو دیکھا یا اچھی وستو کو بُری بھاونا سے دیکھا، تب ہی تو اس کا گندہ چتر ہمارے من رُوپی پردے پر پڑا۔ اگر ہم ایک اچھی چیز کو اچھی بھاونا سے دیکھتے، تو اُس کا چتر کبھی بھی ہمارے من رُوپی پردے پر بُرا نہیں پڑ سکتا تھا۔

اب یہ سوچنا ہے کہ ایسا ہوا کیوں۔ ایسا اس لئے ہوا کہ آنکھوں کا کام صرف دیکھنا ہے۔ شروتر (کان) کا کام صرف سُننا ہے، اور جیبھیا (زبان) کا کام صرف بولنا ہے۔ اچھائی بُرائی ڈھونڈنا اور مین میخ نکالنا نہیں۔ اور خرابی صرف اچھائی بُرائی ڈھونڈنے یا مین میخ نکالنے میں ہوتی ہے۔ دیکھنے، سُننے اور بولنے میں نہیں۔ جس پرکار آپ کیمرے کو سادھارن رُوپ سے ساری دُنیا میں لئے پھرے جائیں اُس پر کوئی بھی چتر نہیں آئے گا۔ چتر کب آئے گا۔ جب اُس کیمرے کے بٹن کو وشیش رُوپ سے دبایا جائے گا۔ اسی پرکار من رُوپی پردے پر بھی چتر اُسی سمے آتا ہے، جب بُدھی رُوپی بٹن دبایا جاتا ہے۔ جیسے جیسے چتر ہمارے اس من رُوپی پردے پر بنے ہوں گے، ویسے ہی ہمارے وچار۔ ہمارے خیالات بنتے چلے جائیں گے۔ اور جیسے ہمارے وچار بنتے چلے جائیں گے ویسے ہی ہمارے کرم ہوتے چلے جائیں گے۔ جیسے ہمارے کرم ہوتے چلے جائیں گے، ویسی ہی ہماری عادت بنتی چلی جائے گی۔ اور جیسی ہماری عادت بنتی چلی جائے گی اُسکے انوسار ہی ہمارا چال چلن بننا شروع ہو جائے گا۔ اور جیسا ہمارا چال چلن ہو گا۔ ویسی ہی ہماری قسمت بن جائے گی۔ مشہور شاعر شیکسپیر نے بھی یہی کہا ہے۔ "Character is fate." چال چلن ہی قسمت ہے — جیسی ہماری قسمت ہو گی، ویسا ہی ہمارا پراربدھ بن جائے گا۔ دوسرے معنوں میں پراربدھ ہی قسمت ہے اور پراربدھ کے مطابق ہی یونی ملتی ہے، شریر ملتا ہے۔ تلسی داس جی نے بھی یہی کہا ہے؛ — "پہلے بنا پراربدھ، پیچھے بنا شریر۔ تلسی یہ افسوس ہے، من نہیں باندھے دھیر" — سو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بُدھی رُوپی بٹن میں تھوڑا سا فرق ہو جانے پر زندگی کا سارا نقشہ ہی بدل جاتا ہے۔ چتر ہی بدل جاتا ہے — بُدھی رُوپی بٹن کا ٹھیک ہونے کا طریقہ کونسا ہے۔ اب گاڑی واپس چلتی ہے — اچھے وچار۔ اچھی سنگت۔ اچھے وچار، اچھے کرم سے اُتپن ہوتے ہیں۔ (دیکھنا، بولنا، سُننا، یہ سب کرم ہی تو ہیں) اچھے کرم، اچھی عادت سے ہوتے ہیں۔ اچھی عادت اچھے چال چلن سے ہوتی ہے۔ اور اچھا چال چلن، اچھی قسمت اور اچھے پراربدھ سے ہی نصیب ہوتا ہے۔ یعنی گاڑی جہاں سے چلی تھی وہیں آکر رُک گئی۔ یعنی منش رُوپی جیون آخری اسٹیشن ہے۔ اس کے بعد کوئی اسٹیشن نہیں۔ اس اسٹیشن پر آپ اچھے کرم کر کے اپنے آپ کا گیان پراپت کر کے سچدانند گھن پرہم بھگوان میں لین ہو سکتے ہیں۔ یا اس اسٹیشن پر سے اپنی گاڑی کا رُخ واپس چوراسی کی طرف موڑ سکتے ہیں۔

# اقوالِ زرّیں

(از ــــ شیام لعل جی عابد پشاوری بی۔اے)

(۱)

ناگن کا ڈسا زہر اتر جاتا ہے　　پر اس کا ڈسا جی سے گذر جاتا ہے
مرتا ہے بشر سانپ کے کاٹے سے مگر　　عورت کے تصوّر ہی سے مر جاتا ہے

(۲)

گھی آنچ کے ہو پاس اگر پگھلے گا　　پہلو میں اگر دل ہے تو وہ مچلے گا
ہوتی ہے کشش جنس مخالف میں ضرور　　بیچارہ بشر تا بہ کجا سنبھلے گا

(۳)

افعال پہ جب اپنے ندامت ہو گی　　خود ذات سے اپنی ہی شکایت ہو گی
عالم یہ نظر آئے گا اک کانٹوں کی سیج　　دُنیا کے ہر اک عیش سے نفرت ہو گی

(۴)

ہے کتنی عجب بات یہ اے مرے حبیب　　اک بندہ مجبُور کے ہائے رے نصیب
ہو حاملہ کے سامنے سے کالا اندھا　　کیا حال بشر ہو کہ ہے دنرات قریب

(۵)

یہ دارِ فنا جانو ہے کچا کنواں　　ہیں اس کے دہانے پہ کھڑے سب انسان
ہلکی سی بھی لغزش ہوئی گر جاؤ گے　　جائیں گے نکل ہاتھ سے پھر دونوں جہاں

# سواستھ رکھشا اور اسکے سادھن

از حکیم شری نند لال لودی

گذشتہ سے پیوستہ

## ہماری غذا کیا ہو، اور کیوں؟

عام طور پر ہم لوگ گیہوں - جو - مکی - چاول - دالیں - پھل اور سبزیاں - دہی اور پنیر - گھی اور مکھن استعمال کرتے ہیں۔

(۱) گیہوں میں جسمانی پرورش کے اجزاء بکثرت ہوتے ہیں۔ یہ دنیا میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ اس کا اچھا آٹا سفید یا قدرے زردی مائل ہوتا ہے۔ اس کے چھلکے میں فاسفورس کے علاوہ وٹامن بھی موجود ہوتے ہیں۔ آٹے کو زیادہ باریک پسوانے سے وٹامن ضائع ہو جاتے ہیں۔ گیہوں پیسنے کے بعد اس کے آٹا کو بغیر چھانے ہوئے روٹی پکا کر کھانی چاہئے۔ اچھے گیہوں کی پہچان یہ ہے کہ اس کا آٹا گوندھنے میں پانی خوب جذب کرے، اور اس میں لوچ پیدا ہو۔ گیہوں کی روٹی آسانی سے ہضم ہو جاتی ہے۔ پھر اس میں خوبی یہ ہے، خواہ کتنی طویل مدت تک استعمال کئے جاویں، جی اکتاتا نہیں۔ (2) - جو میں گلوٹین بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ اسی واسطے جو کے آٹے کی روٹی اچھی طرح نہیں پکتی۔ گیہوں کی نسبت اس میں غذائیت کم ہوتی ہے۔ لیکن گرمی کے موسم میں گرم مزاج آدمیوں کے لئے مفید ہے۔ اسی لئے پنجاب میں گرمی کے موسم میں زمیندار جو کی روٹی کھاتے ہیں۔ جو کے ستو پیتے اور کھاتے ہیں۔ کیونکہ یہ گرمی سے محفوظ رکھتے ہیں۔

(3) مکی میں روغنی اجزا بہت زیادہ پائے جاتے ہیں اس لحاظ سے مکی بہت مقوی غذا ہے۔ اس میں گلوٹین یعنی لوچ پیدا کرنیوالا مادہ نہیں ہوتا۔ اسی لئے مکی کی چپاتی مشکل سے بنتی ہے۔ چالیس سال کی عمر کے بعد گیہوں کی نسبت مکی کا استعمال مفید رہتا ہے، کیونکہ یہ زود ہضم ہے۔ اس سے خون پتلا رہنے کے بعد دوران خون ٹھیک رہتا ہے۔ جس سے کہ جسم کے ہر حصہ کو غذا ملتی رہتی ہے۔ ہندوستان میں مکی کا آٹا محض غریب لوگ کھاتے ہیں۔ اس لئے امیروں کے نصیب میں یہ نعمت نہیں آتی۔ حالانکہ مکی کا آٹا زیادہ مفید ہے، خصوصاً جن کی عمر چالیس سال سے اوپر ہو۔ سبز مکی کا بھٹہ کوئلوں پر بھون کر کھانا نہایت مقوی غذا ہے۔ اور لذیذ بھی ہے، لیکن بھٹا نرم، ملائم اور دودھ والا ہونا چاہئے۔

(4) چاول ایک تہائی بنی نوع انسان کی خوراک ہے۔ بعض مقامات پر بجائے گیہوں کے صرف چاول ہی کھائے جاتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ اس میں بھی غذائیت کم ہوتی ہے، مشینی چاول بجائے مفید ہونے کے مضر صحت ہیں۔ کیونکہ بالائی پرت میں ہی وٹامن ہوتے ہیں، اور یہ مشین میں صاف ہونے سے بالکل ضائع ہو جاتا ہے۔ مشین کی نسبت ہاتھ کا کُٹا ہوا چاول فائدہ مند ہوتا ہے۔

چاول پکاتے وقت برتن کا منہ کھلا نہ رکھا جاوے۔ ورنہ بہت سے معدنی نمک بھاپ کی شکل میں اُڑ جائیں گے۔

(5) دالیں - بھارتی خوراکوں میں دالیں ایک خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ کیونکہ جو لوگ گوشت نہیں کھاتے۔ وہ صرف دالوں سے ہی پروٹین حاصل کرتے ہیں۔ غریب آدمی کی خوراک میں دالوں کا ہونا نہایت ضروری ہے، کیونکہ ان میں 20 سے 30 فیصدی تک پروٹین ہوتی ہے، اور پروٹین کا ہونا جسم کی پرورش کے لئے ضروری ہے۔ دالوں میں وٹامن بی بھی کافی مقدار میں ہوتا ہے۔ دالوں میں فاسفورس اور فولاد بھی پایا جاتا ہے۔ اگر دال کو پکانے سے پہلے سالم دال کو اتنی دیر بھگو دیا جاوے کہ وہ پھوٹ جاوے، تو دال بہت مفید ہو جاتی ہے۔ جس پانی میں دال کو بھگویا جاوے، وہ پانی بھی دال میں ہی ڈال دینا چاہئے۔

(6) پھل اور سبزیاں سورج کی روشنی میں نشوونما پاتے ہیں۔ ان میں وٹامن بکثرت ہوتے ہیں۔ یہ وٹامن ہماری صحت کے لئے از حد ضروری ہیں۔ ان کی کمی سے جسم مریض ہو جاتا ہے۔ سبزیاں پھلوں سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ بہت سے ماہرین غذا کی تو یہ رائے ہے کہ کچی سبزیوں میں

پھلوں کی نسبت قوتِ حیات زیادہ ہوتی ہے۔ اگر پھل زیادہ نہ مل سکیں تو سبزیاں اس کمی کو پورا کر سکتی ہیں۔ لیکن موسمی پھل مثلاً خربوزہ۔ امرود۔ جامن۔ انار۔ پپیتا اور گنّا ضرور استعمال کرنے چاہئیں۔ کچی سبزیاں مثلاً کھیرا۔ ککڑی۔ ٹماٹر۔ گاجر۔ مولی۔ شلغم۔ پالک۔ بند گوبھی کا سلاد بنا کر کھانے سے معدہ۔ آنتیں صاف اور طاقتور بنتی ہیں۔ قبض نہیں ہوتا۔ پانی پینے کی خواہش کم پیدا ہوتی ہے۔ جسمانی صحت اور قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔

**دہی**۔ یہ دودھ کی نسبت زیادہ مفید ہوتا ہے۔ کیونکہ دہی میں ترشی پیدا کرنے والے جراثیم کے علاوہ دیگر جراثیم نہیں ہوتے۔ ترشی پیدا کرنے والے جراثیم معدہ اور آنتوں میں جا کر دیگر مفید جراثیم کو ہلاک کر دیتے ہیں۔

دہی عام جسمانی کمزوری اور کمی خون میں نہایت مفید ثابت ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو دودھ ہضم نہیں ہوتا، ان کیلئے دہی کھانا ضروری ہے یہ باآسانی ہضم ہو جاتا ہے۔ اور اس میں دودھ کی نسبت غذائیت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اس سے بدن کی پرورش ہوتی ہے۔ کمزوری دور ہوتی ہے۔ معدہ اور آنتوں کا ورم تحلیل ہو جاتا ہے۔ جسم کا وزن بڑھ جاتا ہے۔ معدہ اور انتڑیوں کی بیماریوں میں یہ ایک مفید غذا ہے۔ فرانس کے بہت سے ڈاکٹروں نے اپنے مریضوں کو دہی استعمال کرانا شروع کر دیا ہے۔ یورپ میں روز بروز اس کا رواج بڑھتا جا رہا ہے۔ دہی کا استعمال بعض صورتوں میں نقصان دہ بھی ہے۔ مثلاً قبض۔ سردی کی کھانسی۔ نزلہ زکام اور جوڑوں کے درد۔

(۸) پنیر:۔ موجودہ زمانہ میں جبکہ خالص گھی ملنا بہت مشکل ہے۔ ہم اس کمی کو پنیر کھا کر پورا کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اس میں دودھ اور مکھن کے تمام اجزا موجود ہیں۔ یورپ کا پنیر خوب ٹھوس۔ خستہ اور خوشبودار ہوتا ہے۔ پنجاب کے شہروں میں جو پنیر بکتا ہے۔ وہ مسام دار اور پانی سے بھرا ہوا بے ذائقہ ہوتا ہے۔ اور چند دن پڑا رہنے سے خراب ہو جاتا ہے۔ چونکہ پنیر میں لیکٹک ایسڈ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے معدہ اور انتڑیوں کے لئے بہت مفید رہتا ہے۔ پنیر در اصل ٹھوس دودھ ہے۔ جو کہ دودھ سے بھی زیادہ خوش ذائقہ اور مفید ہے۔ پنیر مقوی دماغ بھی ہے۔ ہندوستانیوں کی غذا میں اگر پنیر کا اضافہ کر دیا جائے، تو جہاں بہت سی امراض سے محفوظ رہیں گے، وہاں ان کے جسم بھی مضبوط بن جاویں گے۔

پنیر میں گوشت کی نسبت غذائیت زیادہ ہے۔

(۹) گھی اور مکھن:۔ یہ دونوں چیزیں ہندوستانیوں کی غذا کا جزوِ اعظم ہیں۔ ہر شخص ان کو مقوی جسم مانتا ہے۔ لیکن گھی کی نسبت مکھن ایک قابلِ قدر غذا ہے۔ تازہ مکھن لذیذ اور زود ہضم ہوتا ہے۔ گھی اور مکھن روٹی پر لگا کر کھانا، تلنے کے مقابلہ میں زیادہ فائدہ مند ہے۔

---

# کوچۂ دلدار

از۔ شری سُکھ ہرن ناتھ صاحب نگہت

آپ کا حُسن بہار افروز اور دل کے قریب
جنتیں آراستہ ہیں خاص محفل کے قریب

درسِ عبرت اس کی بربادی ہے بحرِ عشق میں
جس کی کشتی ڈوب جائے آکے ساحل کے قریب

جستجوئے منزلِ مقصود کا حاصل نہ پوچھ
قافلہ لٹتا ہوا دیکھا ہے منزل کے قریب

تابِ جلوہ کون لائے کس کو ہے تابِ نظر
بجلیاں سی کوندتی ہیں ان کی محفل کے قریب

میں سراپا حُسن بنجاؤں اگر وہ دیکھ لیں
لے کے آیا ہوں یہ ارماں انکی محفل کے قریب

بن گئے نظّارے اُن کے حُسن کا پردہ مگر
جلوہ گر ہوتے رہے وہ منزلِ دل کے قریب

کھول آنکھیں ہوش میں آ مستِ خوابِ زندگی
توسنِ عمرِ رواں ہے راہِ منزل کے قریب

مست ہوں نگہت طوافِ کوچۂ دلدار میں
اُن کا جلوہ دیکھتا ہوں ان کی محفل کے قریب

شری وششٹ سوامی جی مہاراج

# پراچین ہندوستان کی خوشحالی اور سستا پن

ہندوستان میں اسلام کی آمد سے قبل جس قدر ارزانی تھی وہ قیاس سے باہر ہے البتہ ملک کے کسی حصے میں قحط بھی پڑ جاتا تھا۔ لیکن جسے قحط کہتے تھے وہ آج کی حالت سے بہتر ہوتا تھا۔ قدیم فارغ البالی کا اندازہ ہم عہدِ اسلام کے نرخنامہ سے کرتے ہیں۔ کیونکہ مسلمان یہاں خود حکمران تھے اس لئے اس بارے میں انہوں نے کوئی خاص شرارت نہیں کی۔ نہ یہاں سے غلہ باہر لے گئے۔ خلجی خاندان کے عہد میں نرخ بازار حسب ذیل تھا:۔

| نام جنس | من | قیمت | نام جنس | من | قیمت |
|---|---|---|---|---|---|
| گیہوں | ایک من | ۷½ جیتل | چنا | ایک من | ۵ جیتل |
| جو | ایک من | ۴ جیتل | چاول | ایک من | ۵ جیتل |
| اڑدماش | ایک من | ۵ جیتل | گھی | ۲½ سیر | ۱ جیتل |
| گڑ | ایک سیر | ½ جیتل | | | |

ایک روپیہ کا چوبیس سیر گھی اور چھ من دودھ ملتا تھا۔ مذکورہ بالا حساب میں جیتل ایک پیسے سے کچھ زیادہ ہوتا تھا اور چودہ پکے سیر کا ایک من ہوتا تھا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ چودہ سیر پختہ گیہوں ساڑھے سات پیسہ یا زیادہ سے زیادہ اُس وقت کے دس پیسے میں ملتا تھا یعنی ایک پیسہ کا تقریباً ڈیڑھ سیر گیہوں مل جاتا تھا۔ بعض تاریخوں میں درج ہے کہ علاؤ الدین کے عہد میں ساڑھے سات آنہ من گیہوں بکتا تھا۔ علاؤالدین نے نرخ بازار کے لئے جبریہ قانون جاری کئے تھے۔ لیکن آگے چل کر مغلوں کے عہد میں اور بھی ارزانی ہو گئی۔ شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کے زمانہ کا نرخنامہ حسب ذیل تھا:۔

| نام جنس | من | نرخ (بھاؤ) | نام جنس | من | نرخ (بھاؤ) |
|---|---|---|---|---|---|
| گیہوں | ایک من | پونے پانچ آنے | چاول | ایک من | ۸ آنے |
| دال مونگ | ایک من | پونے سات آنے | دال موٹھ | ایک من | ۴¾ آنے |
| باجرہ | ایک من | ۵¼ آنے | نمک | ایک من | ۶¼ آنے |
| شکر | ایک من | ۱/۶½ روپیہ | تیل | ایک من | ۱۰ آنے |
| ہلدی | ایک من | ۶ آنے | | | |

اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کا نرخنامہ دیکھنے سے تعجب ہوتا ہے کیونکہ تقریب دو سو برس گذرنے کے بعد گیہوں کا نرخنامہ وہی رہا۔

| نام جنس | من | نرخ | نام جنس | من | نرخ |
|---|---|---|---|---|---|
| گیہوں | ایک من | ۴¾ آنے | جو | ایک من | ۳½ آنے |
| جوار | ایک من | ۲½ آنے | چاول معمولی | ایک من | ۸½ آنے |
| بڑھیا چاول | ایک من | ۱/۵/- روپیہ | دال ارہر | ایک من | ۴¾ آنے |

مذکورہ بالا زمانہ میں جس کو ابھی قریباً تین سو یا ساڑھے تین سو برس گذرے ہوں گے کس قدر خوشحال اور فارغ البالی کا زمانہ تھا۔ اس اس وقت مزدوری حسب ذیل تھی تو بھی لوگ نہایت آسائش سے گذر کرتے تھے۔

| پیشہ ور | ماہوار تنخواہ | پیشہ ور | ماہوار تنخواہ |
|---|---|---|---|
| بڑھئی | سوا نو آنے | لوہار | ایک روپیہ ۴ آنہ ۴ پائی |
| لکڑہارا | سوا نو آنے | خدمتگار | ایک روپیہ دو آنہ چار پائی |
| رسوئیا | ایک روپیہ ۱ آنہ ۴ پائی | پانی بھرنے والا | سوا گیارہ آنے |

جو خدمتگار پہلے ایک روپیہ ماہوار خشک ہی بآرام گذارہ کرتا تھا اب چالیس پچاس روپے ماہوار میں بآرام گذر نہیں کر سکتا۔ تین سو برس میں اتنی مہنگائی ہو گئی کہ جو گیہوں پونے پانچ آنے من کچا پکے حساب سے تیرہ چودہ آنے من بکتا تھا۔ اب سولہ روپے سے پچیس تیس روپے من تک بک گیا۔ اور ملک کے اندر لاکھوں غریب آدمی روٹیوں کے محتاج ہیں۔ باوجودیکہ بڑھئی سوا نو آنے ماہوار میں کام کرتا تھا لیکن وہ دودھ اور گھی جیسی نعمتیں سب گھر والوں کے لئے پراپت کرتا تھا۔ بال گوپال سب تندرست رہتے تھے۔ آجکل وہی بڑھئی ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار پیدا کرنے پر بھی بھوکا ہی رہتا ہے۔ گھر والوں کی ضروریات پوری نہیں کر پاتا۔ اب ایسٹ انڈیا

کمپنی کے عہد (غدر سے ستر تا سنگرام کے زمانہ تک) کا نرخ نامہ دیکھئے :-

گیہوں فی روپیہ ۲۹ سیر۔ چنا فی روپیہ ایک من ساڑھے انیس سیر۔ چاول فی من ساڑھے اٹھارہ آنے۔

ملکہ معظمہ وکٹوریہ کے عہد ۱۸۹۰ء کا نرخ نامہ حسب ذیل ہے :-

گیہوں ایک روپے کا ۲۵ سیر۔ چنا ایک روپیہ کا ۲۸ سیر۔ چاول ایک روپیہ کا ۱۴ سیر۔ گھی ایک روپے کا دو سیر۔ دودھ تین پیسے سیر تھا۔

## اس وقت ملک میں کتنی دولت تھی

چنانچہ سلطنت مغلیہ کے عہد میں نادر شاہ کے حملے کے وقت دلی کی زرخیزی کا نمونہ اس رقم سے پیش کرتے ہیں جو نادر شاہ کو دی گئی تھی۔ اس سے دلی اور ہندوستان کی مالی حالت پر روشنی پڑتی ہے۔ صرف دلی سے مختلف اصحاب سے جو رقم اور شاہی خزانے سے جو حاصل ہوئی تھی، چون کروڑ ۳۴ لاکھ ۷۵ ہزار روپے کی ہے :-

آٹھ کروڑ پچاس لاکھ روپے سرکاری خزانہ سے نقد
پندرہ کروڑ روپے کے ہیرے جواہرات
پندرہ کروڑ کا تخت طاؤس اور دیگر سامان۔
ایک کروڑ پچاس لاکھ کا طلائی سامان
چار کروڑ نواب آصف جاہ سے۔
دو کروڑ ایک لاکھ دوسرے نوابوں سے بھینٹ
دو کروڑ کا سامان جو نواب اودھ کا تھا۔
دو کروڑ ستر لاکھ روپیہ مظفر خاں وغیرہ سے
ایک کروڑ روپیہ قمرالدین وزیر سے
نو لاکھ روپیہ اللہ خاں داروغہ سے
دو لاکھ پچاس ہزار روپے رائے خوشحال چند پیشکار سے
دو کروڑ شہر کے امراء و رؤساء سے
تین لاکھ پچاس ہزار شیخ سعد اللہ سے
تین لاکھ روپیہ راجہ ناگر مل سے
دو لاکھ پچاس ہزار روپیہ لالہ سیتا رام خزانچی سے
پچھتر ہزار روپیہ لالہ سیتا رام خزانچی سے
پچھتر ہزار روپیہ سجان رائے وکیل سے
دو لاکھ چالیس ہزار روپیہ نوندھ رائے سے
چالیس لاکھ کے ہیرے جواہرات۔

یہ فہرست ریاست بھوپال کے کتب خانہ کی ایک تاریخی شہادت کی بنا پر تیار کی گئی تھی۔ آپ حیران ہوں گے کہ یہ رقم نادر شاہ کے کیسے ہاتھ لگی۔ ایک اتہاس کار کا بیان ہے کہ جب میدان نادر شاہ کے ہاتھ آیا اور محمد شاہ کی فوج ہار گئی۔ اس وقت آصف جاہ نواب نے نادر شاہ کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ دو کروڑ روپے لیکر دہلی میں وارد نہ ہو بلکہ ہندوستان سے چلا جائے۔ بادشاہ کو یہ بات بہت پسند آئی۔ نواب کو اس چال چلنے پر ایک اعلیٰ عہدہ اور خطاب دیا گیا۔ ہندوستان کی پھوٹ مشہور ہے۔ جب سردار سعادت خاں نے سنا تو اس کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ وہ فوراً نادر شاہ کے پاس پہنچا پٹی پڑھائی اور کہا کہ دو کروڑ روپیہ تو میں اکیلا ہی حضور کو بھینٹ کر سکتا ہوں۔ دیکھا ایک حاسد کی بدولت کتنے آدمی تباہ ہوئے۔ اور دہلی میں قتل عام ہوا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ مذہبی پرچار۔ نیک خیالات اور ستسنگ سے لوگوں کی مانسک بیماریوں کو دور کیا جائے۔ بھگوان سے پرارتھنا ہے کہ بھارت ورش کو پھر سے خوشحال کر کے گھی اور دودھ کی ندیاں گھر گھر بہیں۔ بھیڑ بکریاں گائیں بھینسیں گھوڑے اور اونٹ گدھے چرند پرند سب سکھی ہوں۔ سب کو پیٹ بھر کھانا ملے۔ دانہ چارہ ملے۔

# تیرے لئے

از۔ شری ساجن بھارتی

میرے بھگوان میرے دل میں جاگزیں تیرے لئے
پریم، شردھا، ستھ بھگتی کیا نہیں تیرے لئے؟

جیب و داماں و گریباں۔ آستیں تیرے لئے
خیر سے دستِ جنوں کیا کیا نہیں تیرے لئے؟

کون ہے جس کے لگن من میں نہیں تیرے لئے
کون ہے، وہ خم نہیں جس کی جبیں تیرے لئے؟

ضو فشاں ہے محفلِ کونین تیری ذات سے
نبضِ فطرت میں ہے جنبش بالیقیں تیرے لئے؟

فصلِ گل کو مرحمت فرمائی کس نے زندگی
کس نے کی گلرنگ اپنی آستیں تیرے لئے؟

اپنی بے پایاں محبت۔ اپنا ایماں۔ اپنا دیں
نذر کو لایا ہوں چشمِ سرمگیں تیرے لئے!

کس کے سجدوں نے بنایا آستاں کو آستاں
کس نے ہر اک حکم پر کی خم جبیں تیرے لئے؟

ماہ و انجم، لالہ و گل۔ رنگ و بو، کیف و نمو
کونسی شئے مضطرب رہتی نہیں تیرے لئے؟

کل جو تیرے آنسوؤں پر تھے تبسم زیرِ لب
آج ساجن وہ بھی ہیں اندوہگیں تیرے لئے؟

# ادھیاتم واد

لیکھک

شری چمن رام دھیمان ایم اے بی ٹی

سنسارک پدارتھوں میں سچے سُکھ کی کھوج میں ناکام ہو کر منش کے من میں جو پرتی کریا ہوئی۔ اُس کا نام ہی ادھیاتم واد ہے۔ سنسارک پدارتھوں کے ہر دن کے بدلنے والے اور چنچل روپ سے تنگ آ کر منش کے من کا کبھی اگیات انت کی اور جھک جانا سبھاوک ہی تھا اسلئے اگر بھوتک وادی لوگ ادھیاتم واد کا یہ کہہ کر مخول اڑائیں کہ یہ سنسار کے سنگھرش سے ہارے ہوئے منشوں کی پناہ ہے تو اسے بھی سولہ آنے غلط نہیں کہا جا سکتا۔ پرنم پرا سے آج تک منش سچے سُکھ کی تلاش میں ہے منش کی ساری پرورتیوں کا لکش ایک ماتر یہی ہے اس کی پراپتی کے لئے وہ دُکھ کا بھی آواہن کرتا ہے اور اپنے آپ کو انیک سنکٹوں میں ڈالتا ہے سچے سُکھ کی پراپتی کی آشا ہی کسی اگیات ستھان سے اُسے سبھی سنکٹوں کو گرہن کرنے کا حوصلہ بڑھاتی رہتی ہے۔ اگر بھاوی سُکھ کی یہ آشا کرن اُس کے آڑے نہ آئے تو زندگی کا ہر پل اُس کے لئے کاٹنا کٹھن ہو جائے، سچے سُکھ کی پراپتی کی دوڑ میں جو بھی رکاوٹ اس کے راستے میں آتی ہے۔ یہ اُس کے دور کرنے کی پوری پوری کوشش کرتا ہے۔

سُکھ کی اس انادی جگیاسا سے پریرت ہو کر آدی مانو نے اپنے ارد گرد کے سنسارک پدارتھوں میں آتم شانتی کی پراپتی کی کھوج کی۔ جھرنوں اور پنچھیوں کے سندر گیت، منوہر کومل وستوؤں کا سپرش، پربتوں ندیوں باغیچوں کے سندر درشیہ و انیک سوادشٹ بھوجنوں کا رس۔ کومل پھولوں کی مدھر گندھ اُس جگیاسا کو شانت کرتی سی پرتیت ہوئی۔ لیکن اُس کے آشچریہ کی حد نہ رہی جب ان انتیہ سپرش روپ رس گندھ کا سنجوگ کشن بھر کے لئے بھی ویوگ کا منہ دکھانے لگا۔ اور اس کی پیاس کو شانت کرنے کی بجائے اور بڑھانے لگا۔ بسنت کی سندرتا کے پیچھے اُس نے پت جھڑ کا اِتہاس

سُنا سا دھارن بدھی والا منش یہ سب پریورتن دیکھ کر کبھی کشن بھر کے اس سُکھ کی انوبھوتی سے پریرت ہو کر اندھا دھند کولہو کے بیل کی طرح رات دن وہی چکر لگاتا رہا۔ اور ساتھ ہی اس کے ناشوان روپ سے بھئے بھیت ہو کر ویوگ کی جوالا میں دن رات جلتا رہا۔ جب بھی پرانی پر اُسے سندیہہ ہوا کہ وہ اُس کی سُکھ پراپتی میں بادھک ہے۔ اُس سے سر پھٹول کرتا رہا۔

سانکھیہ شاستر میں لکھا ہے کہ جب پرکرتی کے تینوں گنوں ست رج اور تم میں وشمتا آتی ہے تو یہ نام روپ آتمک جگت ہوتا ہے۔ منش سماج کی بدھی میں بھی ان تین گنوں کے کارن وشمتا آئی۔ جہاں مند بدھی لوگ سنسارک وستوؤں کے چنچل سروپ کو دیکھ کر بھی اس کے موہ میں پھنس کر لگاتار جنم جنمانتر وہی دوڑ لگاتے رہے کیونکہ انھیں ان سنسارک پدارتھوں کے علاوہ شانتی پراپتی کا اور کوئی ستھان دکھائی نہ دیتا تھا۔ وہاں اُن سے کچھ ادھک بدھیمان منش اس لگاتار ناکام دوڑ سے تنگ آ کر اس نتیجے پر پہنچے کہ سبھی اندریہ گوچر جگت پریورتن شیل ہے اور اس کا سنجوگ کچھ کشن ہی رہنے والا ہے، چاہے ہم پھول کی سندر کومل سیج پر پڑی ہوئی بوند کی طرح اپنے آپ کو وہاں ٹکائے رکھنے کے لئے کتنی بھی دڑھتا سے موہ روپی انگلیاں گاڑ دیں پرنتو سورج کی پرچنڈ دھوپ اور ہوا کی لہریں ہمارا اس سے سنجوگ توڑ کر ہی دم لیں گے، دوسرے شبدوں میں موت کا بھے سارے سنسارک پدارتھوں کے بھوگوں کے مزے کو کرکرا کر دیتا تھا۔ ان لوگوں نے سُکھ سنجوگ کے اس سنہری پردے کے پیچھے ویوگ کا سانپ کنڈلی مارے ہوئے دیکھا تب انہوں نے درشٹی پرک کشن بھنگر پدارتھوں سے منہ موڑ کر کسی ایک رس وستو کی کھوج کرنا شروع کیا۔ اُن کا دھیان

(باقی صفحہ ۴۹ پر)

گذشتہ سے پیوستہ

# میلہ پریاگ اردھ کنبھ اور بھارت سادھو سماج

از قلم سوامی گیانانند جی دہلی

بھارت سادھو سماج اور بھارت سیوک سماج کا کیمپ اکٹھا تھا۔ چونکہ یہ دونوں سنستھائیں ایس ہی سنگھٹت اور حامی ہیں ان کے کھانے کا انتظام بھی اکٹھا تھا۔ ۲۷ اور ۲۸ جنوری کے روز بھارت سادھو سماج کی خاص کانفرنس بلائی گئی تھی جس میں بھارت سادھو سماج کے پریزیڈنٹ ویدانتی رام پدارتھ داس جی اجودھیا سے آکر صدارت کر رہے تھے۔ شری گلزاری لال نندہ منسٹر لیبر اور ایمپلائمنٹ گورنمنٹ آف انڈیا جو کہ مشاورتی کمیٹی کے چیرمین ہیں خاص طور پر شامل ہوئے۔ دیگر ممبران بھارت سادھو سماج، مہنت لیشران، مہنتاں اودھو ویراگی۔ اوداسی اور دیگر سمپرداؤں کے سادھوؤں نے شمولیت کی۔

اس میٹنگ میں ایک خاص پروگرام کے تابع بدھان Constitution میں ترمیمات کی گئیں جس کی تصدیق کے لئے ایک ماہ کے اندر تابع قانون رجسٹریشن ایک خاص میٹنگ دہلی میں بلائی گئی ہے۔ یہ ریزولیشن مندرجہ ذیل قسم کے تھے (۱) بدھان میں لازمی ترمیمات جن کے تابع بھارت سادھو سماج کے اغراض کی عبارت کو سنشودھن کیا گیا۔ یہ پہلا حصہ ہے۔ دوسرے حصہ میں سادھوؤں کی مریادا کے مطابق دیش کی مالی اور سوشل نچاوبر میں سادھوؤں کی باہمی امداد کا ہونا۔ ممبر بھی تین قسم کے بنا دیئے گئے اول سادھارن سدا چاری سادھو۔ گرہست بندھن سے مکت ہو۔ دوئم سوسائٹی بطور ممبر جو دھارمک کاریوں میں لگی ہوئی ہے، سوئم سہیوگی ممبر، یہ ممبر گرہستی سدا چاری ہوں گے، یہ ممبر شپ پہلے نہیں تھی گرہستیوں کو ممبر شپ میں لاکر سادھو سماج نے ایک اعلیٰ قدم آگے بڑھایا ہے کیونکہ سادھو اور سد گرہستی کا گہرا سمبندھ ہے۔ سد گرہستی اگر سادھو سماج کے ساتھ ملحق ہو جائیں گے تو آئندہ میں اچھے گرہستی اپنی عین گرہست آیو بھوگ کر سادھو مارگ پر چلنے کی پریرنا پا کر اس مارگ کی رونق بڑھائیں گے اور ادھیاتمک ودیا کو جیوت رکھنے کا سادھن بنیں گے۔

مزید یہ ترمیم کی گئی کہ جو ممبر ناجائز اور غیر واجب چلن اختیار کریں گے وہ ممبر شپ سے ہٹائے بھی جا سکتے ہیں۔ مہان سمتی کے ممبروں کی تعداد وغیرہ میں بھی ترمیمات کی گئیں۔ ۲۵ ممبران کو پردھان اس کمیٹی پر نامزد کریں گے۔ اور ۲۵ ممبران سادھو سوسائیٹیوں کی جانب سے مقرر کئے جائیں گے اور ۱۵ ممبران ملک کی شاکھاؤں کی جانب سے مقرر کئے جائیں گے۔ یہ کمیٹی ۲ سال لگاتار مقرر رہیگی بھارت سادھو سماج کے مندرجہ ذیل افسران ہوں گے۔ ایک پردھان۔ ایک ورکنگ سبھاپتی پانچ نائب پریزیڈنٹ ایک اور تین سیکرٹری ہوں گے۔

اس دفعہ بھارت سادھو سماج کی جائیداد کے سنبھالنے کے لئے ایک ورکنگ ٹرسٹ بورڈ بھی مقرر کیا جائے گا۔

مجھے یہ بات خاص طور پر بتلانی ہے کہ آہستہ

آہستہ بھارت سادھو سماج کی ترقی کے راستے سے روکاوٹیں دفعہ ہوتی جا رہی ہیں مگر تو بھی بھارت سادھو سماج کے ممبران کی طرف سے مزید سہیوگ اور امداد کی ضرورت ہے۔ منڈلیشروں۔ مہنتوں۔ اور تعلیم یافتہ سادھوؤں کو خاص کر یہ بات ذہن نشین کرانی ہے کہ بھارت سادھو سماج کے کامیاب ہونے میں ہی دھرم کی رکشا، دیش کی سیوا۔ اور سادھو سدگرہستیوں کا کلیان ہے۔ اگر دھرم ہے تو دیش ہے۔ اگر دیش ہے تو دھرم قائم رہے گا۔ پرانی تاریخ اس کی تائید کرتی ہے۔ اس کے ورق الٹ کر ذرا غور کریں۔ سومناتھ کا مندر کیسے گرایا گیا۔ کاشی میں وشوناتھ کا مندر گرا کر مسجد قائم کی گئی۔ کیا کیا ظلم ڈھائے گئے۔ اور دھرم کو نیچے گرایا گیا۔ اگر دھرم قائم رہتا تو آج ہندوستان کا بٹوارہ نہ ہوتا۔ دو قوموں کی تھیوری قائم نہ ہوتی۔ اب بھی ایک دوسرے سے علیحدہ ہونے کے لئے کبھی گجراتی مراہٹی اور کبھی گورمکھی ہندی کے نام پر ریاستوں کے بٹوارے ہوئے ہیں۔ لہٰذا دھرم کے نیتاؤں سے یہ التماس ہے کہ وہ اپنے ذاتی سمپردایک اختلافات کو یک طرف بالائے طاق رکھ کر دیش کی رکھشا کے لئے کمر بستہ ہو کر دھرم کا جھنڈا بھارت سادھو سماج کے

# حضرت عیسیٰ کا پیغام

از شری فتح چند نسیم

دُنیا کے اکثر ملکوں میں کبھی کبھی ایسے اوتار، پیغمبر، مہاپُرش، نبی اور گورو پیدا ہوتے رہے جن کا نصب العین انسانوں کو سیدھی راہ پہ لانا رہا۔ اُسی صف میں حضرت عیسیٰ بھی شریک تھے موجودہ زمانہ میں ان کے پیروکار کروڑوں کی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن روس نے اندنوں یہ ایک عجیب دعویٰ پیش کر کے تمام دُنیا کو سخت اچنبھے میں ڈال دیا ہے کہ حضرت عیسیٰ کبھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے، یہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہے۔ مورخین اس کا فیصلہ کرتے ہی رہیں گے۔ تاہم یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انکی مشہور معروف تعلیم اور پیغام نہایت شاندار اور قابلِ قبول تھا۔

فتح چند نسیم

(۱) کیوں نہ تازہ ہو اُٹھے پھر حضرت عیسیٰ کی یاد
امن کی دولت لٹائی۔ شاد عالم کر گیا

(۲) گو نہاں اپنی نگاہوں سے ہوا وہ آفتاب
گوتم اور مہابیر کے خوابوں کی وہ تعبیر تھا

(۳) اس پیمبر کو بھلائیں کس طرح اہل جہاں
آج بھی نہرو کے ہاتھوں روشن ہے اسکا چراغ

مادر مریم کے ہاتھوں نے سنوارا تھا اُسے
مضطرب روحوں نے جب بگڑ کر پکارا تھا اُسے
جس نے الفت کی ضیا چاروں طرف پھیلائی تھی
اسلئے توقیر ہر طبقے میں اس نے پائی تھی
جس کے پیغاموں کا گاندھی بھی علمبردار تھا
آیزن ہاور کے بیاں میں بھی یہی اظہار تھا

(۴)

الغرض پیغام عیسیٰ تھا۔ پیام بے نظیر
اس کے جو فرمان تھے سب تھے وہ فرمانِ خدا
ساری دُنیا پہ رہے گا۔ تا ابد وہ ضوفشاں
حق تو یہ ہے۔ ہند کے رشیوں کا تھا وہ ہمجاں

# ادم ست سنگ

از
دیوان چند داس چوپڑہ بی۔ اے

ادم کے پریمیوں کی سیوا کے لئے یہ سلسلہ سوالی جواب شروع کیا جاتا ہے۔ کسی پریمی کو کوئی دھارمک سوال درپیش ہو تو وہ مختصر لفظوں میں لکھ کر مجھے بھیجدیں۔ ادم کے صفحات میں برابر ہر سوال کا جواب درج کر دیا جاویگا۔ خاص طور پر ویدانت کے سدھانت کے متعلق کوئی امر وضاحت طلب ہو تو ضرور تحریر کریں۔ میں ادم کے ہر پریمی کی رہنمائی میں راحت محسوس کروں گا۔ فی الحال رام پالی جی نے چند ایک سوالات بھیجے ہیں۔ ان کے جوابات اس پرچہ میں درج کئے جاتے ہیں۔

سوال:۔ جب آتما امر ہے۔ اس کو کسی پر کار کا دکھ سکھ کا انوبھو نہیں ہوتا۔ تو موت کے بعد شریر تو راکھ ہو جاتا ہے۔ اور آتما امر ہے۔ پھر اگلے جنم میں (جو کہ کرموں کے انوسار ملتا ہے) تو سکھ دکھ کس کو بھوگنا پڑتا ہے۔

جواب:۔ موت کے بعد شریر تو راکھ ہو جاتا ہے لیکن انتہ کرن کا تو ناش نہیں ہو جاتا ہے۔ یہی انتہ کرن اپنی پرکرتی کے انوسار نئے مادی ذرات کو تشش کر کے پھر اس کو شریر کی صورت میں اختیار کرتا ہے اور یہی شریر پچھلے جنم کے کرموں کے نتیجہ کو بھوگتا ہے گویا ایک جنم کے کرموں کا تمام نتیجہ انتہ کرن کی صورت میں دوسرا شریر دھارن کرتا ہے۔ سادھارن عقل اس حقیقت کو سمجھ نہیں سکتی ہے کہ کس طرح ایک شریر کے نشٹ ہو جانے کے بعد انتہ کرن یعنی من کی کریائیں قائم رہتی ہیں۔ لیکن یہ امر ایک حقیقت ہے جو کہ موجودہ مانسک ودیا (رسائیکالوجی) کے ماہر بھی اب تسلیم کر رہے ہیں۔

سوال:۔ کیا ادم کے جاپ کا حق صرف سنیاسی کو ہی حاصل ہے۔ دنیاوی لوگ اس کا جاپ نہیں کر سکتے ہیں؟

(جواب) ہاں۔ ادم کے معنوں پر وچار یا ادم کا جاپ اصل میں تو صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ انسان مادی دنیا سے بے نیاز ہو جاوے۔ مادی حالات سے ایسی بے نیازی ہی سنیاس ہے۔ دوسرے معنوں سے سنیاسی کو ہی حق حاصل ہے کہ وہ ادم کا جاپ کرے۔ لیکن اگر جاپ سے مراد ایک شبد کا بار بار دہرانا ہی ہے تو ہر کس و ناکس کو حق حاصل ہے کہ وہ ایسا کرے۔ لیکن یہ حقیقی معنوں میں ادم کا جاپ نہ ہو گا۔

سوال:۔ کہتے ہیں کہ ادم کا جاپ عورتوں کے لئے منع ہے۔ اس پر روشنی ڈالیں۔

جواب:۔ میں نے آج تک کسی شاستر میں یہ نہیں پڑھا ہے جہاں آپ نے پڑھا ہے آپ اس شاستر کے لفظوں کا حوالہ دیں تاکہ ان لفظوں پر مناسب وچار ہو سکے باقی یہ بات کہ کئی لوگ ایسا کہتے ہیں، عوام میں تو کئی باتیں مناسب و غیر مناسب زبان زد خلائق ہیں، عوام کے خیالات صداقت کا معیار نہیں ہو سکتے ہیں۔

سوال:۔ ایک دیوی جی نے مجھ پر سوال کیا کہ جب دکھ سکھ کرموں کے انوسار ہوتے ہیں۔ تو پھر بیمار کے علاج کرانے کی کیا ضرورت ہے۔

جواب:۔ کیا علاج کرانا کرم نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ کرموں کا کوئی نتیجہ دوسرے کرموں کے ارتکاب سے

کاٹا ہی جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر میں کھانا نہیں کھاتا ہوں۔ اس کرم سے مجھے بھوک لگتی ہے اب میں کھانا کھا کر اس کرم کے نتیجہ سے بچ سکتا ہوں اسی طرح سے علاج بھی تو ایک کرم ہے۔ اس کرم سے میں پچھلے کرموں کے نتیجہ (بیماری) سے نکل سکتا ہوں۔ بات تو بالکل صاف ہے۔

(نوٹ) شریمان مغل چند جی نے بمبئی سے چند سوالات بھیجے ہیں۔ اُن کے متعلق تو یہی ہے کہ اِن سوالات کی کوئی تاریخی اہمیت تو ہو سکتی ہے لیکن اُن کی کوئی بھی دھارمک اہمیت نہیں ہو سکتی ہے۔ ادوم کا حلقہ ست سنگ اپنے پریمیوں کی روحانی یا دھارمک رہنمائی کے لئے ہے۔ لہٰذا ہمارے پریمی اپنے سوالات صرف دھارمک وشئیوں تک ہی محدود رکھیں۔ اور جہاں تک ہو سکے سوالات تحریر کرنے میں اختصار سے کام لیں۔

(نپٹری داس)

---

# ختم

## از حکیم پیمل داس جی مضطر

(نوٹ) یہ نظم رسالہ ادوم ماہ ستمبر ۱۹۵۱ء میں شائع ہوئی تھی اب حسب فرمائش میسرز شورام اینڈ مسٹر ... دوبارہ شائع کی جا رہی ہے۔ (ایڈیٹر)

وہ روز یقیناً آئیگا جب ہونگے سب اذکار ختم
افکار ختم، تکرار ختم۔ انکار ختم۔ اقرار ختم

کیوں اُلفت اور عداوت کے جھگڑوں میں پھنس گیا ہے تو
طائر روح کی پرواز پہ پھر سب پیار ختم تکرار ختم

بے زر انساں سے کرتی ہے سرمایہ داری کیوں نفرت
سرمایہ زندگی لُٹنے پر بے زر بھی ختم زردار ختم

کیوں اُلٹی پگڑی رکھ سر پر رفتار کبک کی چلتا ہے
جب کال شکاری آ پہنچا۔ دستار ختم، رفتار ختم

اے فلک بوس ایوانوں میں رہنے والے یاد رہے
جسدم شمشان میں جائیگا۔ یہ در بھی ختم دیوار ختم

یہ ماہِ لقا، یہ آہو چشم۔ یہ دُرِ دنداں یہ سیم بدن
اک دن یہ نرگسی چشم ختم۔ لب ٹھوڑی گلو رخسار ختم

عاشق معشوق پہ مرتا ہے۔ اُلفت کا دعویٰ کرتا ہے
بالآخر دعویدار ختم، دعویٰ بھی ختم۔ دلدار ختم

اِن رنگ برنگی پھولوں پر اے بلبلِ ناداں ناز نہ کر
ہو جائے گا دورِ خزاں میں یہ گُل خنداں ختم۔ گلزار ختم

عابد[7]، عارف[8]، زاہد[9]، عاصی[10]، مُقِر[11] اور مُنکر[12] یہ سب
الفاظ کے جھگڑے ہیں ورنہ مومن کافر دیندار ختم

گیانی۔ دھیانی، جوگی، بھوگی، جنگم، تپسی، مونی، مُنی
چند روزہ عامل ہیں سارے انجام میں سب کردار ختم

یہ قاتل ہے، مقتول ہے یہ، یہ عامل ہے، معمول ہے یہ
اک روز یہ مجرم، جُرم، سزا کی ہوگی سب تکرار ختم

یہ عابد ہے، مسرور ہے یہ، یہ فاسق[13] ہے، مقہور[14] ہے یہ
نیکی کا دعویدار ختم۔ بدکاری کا اقرار ختم

اے شاہِ زمن یہ ناز تیرا شاہی کا سارا بیجا ہے
تجھ جیسے لاکھوں شاہِ جہاں ہو گئے مسلطان سردار ختم

بھائی، عورت، ماں باپ، پسر، چاچا تایا پیاری دُختر
اِن سب کی محفل ہے شب بھر سورج نکلا پرواز ختم

کوئی مست کوئی متوالا ہے، کوئی گورا ہے کوئی کالا ہے
وہ دن بھی آنے والا ہے بے رنگ بھی ختم رنگدار ختم

اے مضطر بحرِ جہاں کی یہ رنگین لہریں ہیں بے پایاں
بس کر اپنے افکار ختم۔ بس کر اپنے اشعار ختم

---

۱ جج ذکر ۲ محل ۳ چاند جیسا چہرہ یعنی خوبصورت ۴ ہرن جیسی آنکھ والے ۵ موتی کی طرح دانت والے ۶ چاندی کی طرح جسم والے ۷ بھگت ۸ گیانی ۹ نیک ۱۰ گنہگار ۱۱ اقرار کرنے والے یعنی آستک ۱۲ انکار کرنے والے یعنی ناستک ۱۳ گنہگار ۱۴ دوزخی یا نرک کا ادھکاری۔ ۱۵ جس طرح رات بسر کرنے کے لئے پرندے کسی درخت پر جمع ہو کر سورج نکلتے اُڑ جاتے ہیں۔

---

# مہاراجہ گوپی چند

از قلم
پنڈت وشنو دت جی

جنگلوں بیابانوں، صحراؤں اور پہاڑوں سے گھومتا ہوا ایک رمتا یوگی ایک بڑے راجہ کی راجدھانی میں پہنچا۔ رات شہر سے باہر ایک درخت کے نیچے بسر کی۔ صبح ہوئی یوگی اٹھا۔ اور رفع حاجت وغیرہ سے فارغ ہو کر اشنان کیا اور ایک چھوٹی سی ندی کے کنارے بیٹھ کر یادِ الٰہی میں محو ہو گیا۔ تپسوی یوگی کے چہرے سے نورِ الٰہی برس رہا تھا۔ بعد میں اس نے ایک نہایت منوہر پربھو بھجن گایا۔ جس سے ندی کی اٹھتی ہوئی لہر دل پر سکوت طاری کر دیا۔ وہاں سے اٹھ کر شہر کی طرف روانہ ہوا۔ گلی کوچوں میں الکھ جگاتا اور بھیک مانگتا ہوا۔ مہاراجہ کے محلوں میں جا نکلا وہاں بھی الکھ جگائی۔ رانیاں اس کی دلکش آواز سُن کر دوڑ آئیں۔ داسیاں اردگرد جمع ہو گئیں۔ اور سرگوشیاں کرنے لگیں۔ ایک بولی دیکھ ری یہ یوگی کیسا جوان اور خوبصورت شکیل ہے،

دوسری اری ایسا دکھائی دیتا ہے۔ جیسے ہمارے مہاراج ہیں۔ تیسری۔ تو پوچھ لو۔ اس میں ہرج ہی کیا ہے پہلی چلو۔ مہارانی جی سے عرض کرتی ہیں۔ ایک اوپر آئی۔ بولی نیچے ایک یوگی کھڑا ہے۔ اس کی شکل بالکل مہاراجہ جی سے ملتی جلتی ہے۔

رانی: "سرد آہ بھر کر! اری پگلی۔ پرماتما جانیں وہ کہاں ہیں۔ ان کو تو گئے ہوئے بارہ برس ہو گئے ہیں۔ کبھی بھول کر بھی ادھر نہیں آئے۔ میری ایسی قسمت کہاں۔ کہ ان کے درشن ہوں۔ اتنے میں ساس بھی آ

گئی۔ بولی۔ کیوں تم لوگوں نے یوگی کو گھیر رکھا ہے بھکشا دو۔ اور جانے دو۔ داسی۔ نیچے آئی۔ یوگی سے بولی۔ مہاراج آپ کہاں رہتے ہیں۔ یوگی بولا دیوی سادھو تو رمتے ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا اور سب جگہ رہتے ہیں۔ دیوی بھکشا دو۔ سادھوؤں سے زیادہ بات چیت اچھی نہیں ہوتی۔ بوڑھی مہارانی آواز سنکر نیچے آئی۔ بولی مہاراج آواز اور شکل سے تو میرا بیٹا گوپی چند معلوم ہوتے ہو۔ یوگی نے کہا ماتیشوری سنسار میں ایک دوسرے کی شکلیں ملتی جلتی ہیں۔ یہی تو پرماتمن دیو کی عجیب رچنا ہے۔ آپ سب ہماری ماتائیں ہیں اور ہم سب کے پتر ہیں مگر سچا پتا وہی جگت آدھار پربھو ہے۔

بوڑھی مہارانی بولی۔ یہ ستیہ ہے اور نہ یہ ستیہ ہے کہ اس کی مایا بڑی وچتر ہے، مگر آپ کو دیکھ کر مجھے دودھ اتر آیا ہے دبا ہوا ماتری پریم ابھر آیا ہے مہاراج! جن آنکھوں نے پریم بھری نگاہوں سے برسوں ہی دیکھا کبھی دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ جن لبوں نے تم پریم میں ہزاروں بار اس مکھ کو چوما۔ وہ ہرگز بھول نہیں سکتے۔ جس چھاتی کا دودھ پلایا وہ پُر فریب نہیں ہو سکتی۔ جس گربھ میں رہ کر آپ نے نو ماہ پرورش پائی۔ وہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ جو ہاتھ ہزاروں بار شفقت سے اس سر پر پھرتے رہے۔ وہ ہرگز

بے یقین نہیں ہو سکتے۔ آؤ۔ آؤ مہاراج سنگھاسن
شاہی پر بیٹھو۔ یہ کہتی ہوئی۔ نوجوان رانی اندر سے
آئی۔ جس کو دیکھ کر یوگی کی گردن جھک گئی۔ بولا۔
جلدی کرو بھگشا دینی ہے تو دو، نہیں تو سادھو جاتا
ہے۔ بوڑھی رانی نے کہا۔ کیوں اتنی جلدی۔ کیا استری
پریم جوش پر آگیا۔ جو اپنی کمزوری چھپانے کی خاطر
جانے کا ارادہ کیا ہے؟ افسوس ابھی سنگین قلعہ میں
رہنے کی ضرورت ہے۔ مہاراج اگرچہ آپ سادھو
ہیں۔ اور ہم گرہستیوں سے اونچے کوٹی پر ہیں مگر
آپ کو کچھ اپدیش دینے کا حق ہے کیونکہ سادھو کے
دلی جذبات کو مینا ونتی تاڑ گئی تھی۔ کہ اس کا چنچل
من استری پریم میں ڈوبا جا رہا ہے۔ اور سنیہ مارگ
سے بھی بستی کی طرف آنے لگا ہے تب اس نے یہ کہا
کہ ابھی سنگین قلعہ میں رہنے کی بہت ضرورت ہے
یوگی گوپی چند حیران ہو گیا۔ بولا ماتا یہ کیا؟ آپ ہی
کے اپدیش سے میں نے گرہست کو چھوڑا۔ عیش و
آرام پر لات ماری تخت شاہی اور سنگین قلعوں
کو تلانجلی دی اور اب پھر مجھے اسی گڑھے میں گرنے کو
کہتی ہو۔

مینا ونتی نے کہا۔ ابھی آپ نے میری باتوں کو
نہیں سمجھا سنو اور غور سے سنو، میری تین باتوں
کو ہمیشہ یاد رکھنا (۱) کھانا نہایت لذیذ اور مرغن
کھایا کرو (۲) نرم سے نرم اور ملائم سے ملائم بستر
پر سویا کرو (۳) سنگین سے سنگین قلعوں میں
رہا کرو۔

گوپی چند:۔ ماتیشوری یہ کیا آپ میرے لئے
مایا جال بچھا رہی ہو۔ جب میں تیاگ چکا ہوں۔
تو پھر گرہستی بن کے اس سادھو چولے کو بدنام کردوں
دنیا کیا کہے گی۔

مینا ونتی:۔ سنو! میں اس کو ذرا وضاحت
سے کہتی ہوں میں نے کہا کہ کھانا لذیذ اور مرغن کھایا
کرو۔ اس کے معنے یہ ہیں۔ کہ جب تک بھوک نہ
لگے۔ اپنا وقت بھجن پاٹھن اور دم رشم میں گذارا
کرو۔ بھوک لگنے پر اگر سخت سے سخت چیز بھی
کھاؤ گے۔ تو وہ امرت کے سمان پھل دے گی اس
کے سامنے بڑے بڑے اچھے کھانوں کی کچھ حقیقت
نہیں رہتی۔ اس سے بڑھ کر لذیذ اور مرغن غذا اور
کوئی نہیں ہو سکتی۔

سچ ہے۔ بقولیکہ سے رستی لستی کھائے کے تو
ٹھنڈا پانی پی نہ دیکھ پرائی چپڑی نہ ترسائیں اپنا جی،
دوسری بات ملائم اور نرم بستروں کی بابت ہے اس
کے یہ معنے ہیں جبتک نیند نہ آئے تب تک اپنے
پرنیتم پربھو کی یاد میں مگن رہو۔ پرشارتھ اور پرمارتھ
سے کام لو۔ ایشور کی کل کائنات "سرشٹی" کی بناوٹ
اس کی ابتدا اور اس کی آخیر کس طرح ہے۔ اس پر
وچار کرو۔ جب میں تپ میں اپنا وقت گذارو۔
سنسار کے سدھار اور دینوں اناتھوں کے ادھار
پر غور کرو۔ نراکار پرماتما کی اپاسنا میں چت لگاؤ۔
پربھو بھگتی میں ایسے تولین ہو جاؤ۔ کہ دنیا مافیہا کی خبر
تک نہ رہے۔ گھنٹوں نہیں بلکہ دن رات اس کی ہی
آرادھنا میں لگے رہو۔ جب نیند غالب آجائے گی
تو اگر پر خار جھاڑیوں اور کنکروں پتھروں پر بھی
لیٹ جاؤ گے۔ تو اس غضب کی میٹھی اور پیاری
نیند آئے گی۔ کہ شہنشاہوں کو بھی وہ نصیب نہیں
ہو سکتی وہ خار دار جھاڑی وہ نوکیلے اور سخت کنکر
پتھر مخملی گدیلوں اور غالیچوں سے بھی زیادہ راحت
جان محسوس ہوں گے۔ تیسری بات سنگین قلعہ کی
ہے جس کے یہ معنے ہیں۔ کہ من بڑا چنچل ہے جو کسی
طرح بھی قابو نہیں رہ سکتا۔ ہاتھی کو زنجیروں سے
جکڑ سکتے ہیں۔ لیکن یہ جکڑا بھی نہیں جا سکتا۔

اس چنچل من نے دُنیا میں بڑے بڑے اُپدرو کئے ہیں جتیوں ستیوں کی سالوں کی محنت کو چھِن بھر میں تباہ کر دیا۔ ہاں ایک طریقہ ہے جس سے یہ من استھر رہ سکے وہ یہ کہ ہمیشہ اپنے سے بڑے دل و دوالوں، یوگیوں جتیوں، ستیوں، برہمچاریوں اور رِشیوں کے ست سنگ میں اور شبھ وچاروں میں اپنا جیون وِتیت کرو۔ اس سے بڑھ کر دُنیا بھر میں کوئی مضبوط اور سنگین قلعہ نہیں ہے۔ جو اینٹوں اور پتھروں کے قلعے دُنیا میں بنے ہوئے ہیں۔ وہ توپوں سے و دیگر اسلحہ جات سے تباہ ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس ست سنگ کے قلعہ پر توپ وغیرہ کوئی اثر نہیں کر سکتی نہ ہی یہ فنا ہو سکتا ہے۔ نہ ہی اس ست سنگ کے قلعے پر کام کرودھ موہ، لوبھ وغیرہ حملہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے میں چاہتی ہوں کہ آپ بھی ایسے ہی سنگین قلعہ میں رہو۔ مہاراج گوپی چند جو سادھو ہو کر عرصہ دراز کے بعد ماتا کے درشن کرنے آیا تھا ماتا سے

اِتہ

# وِیر سدا ماں

## کوی لوک ناتھ دِل

بھارت کے اتہاس کی ہے یہ پریم بھری اِک کتھا پُرانی

(۱)

چھوڑ چھاڑ کر وِیر سدا ماں نمک تیل لکڑی کے جھمیلے — کوُپ کا نرمل جل پی لیتے کھا لیتے ہری چھال کے کیلے

کبھی نہ دھرم پتنی کی سُدھ لی کبھی نہ بچوں کے سنگ کھیلے — مالا جھولی تھی ہمجولی رہتے تھے المست اکیلے

کچھ نہ کہتے کچھ نہ سُنتے کرتے تھے اپنی من مانی

بھارت کے اتہاس کی ہے یہ پریم بھری اِک کتھا پُرانی

(۲)

بن اجیو کا جیون پھیکا بن دیپک کُٹیا اندھیاری — ٹھنڈا چولھا سُونا چونکا نرکھ نرکھ نِشدن دُکھیاری

بچوں کا رونا سُن سُن کر ویاکُل بھوکھ پیاس کی ماری — پھٹی پُرانی ساڑھی سے تن ڈھانپ ڈھانپ کر ابلا ناری

من سے کہنے لگی پتی سے پرم سوشیل سوشیلا رانی

بھارت کے . . . . . . . . . . . .

پتی برتا ناری کے بوچن کہتے کہتے بھر آئے (۳) پران پریہ کی ویا کلتا سے ویر سُداماں بھی اکلائے
چلے دوارکا کو نینوں میں آشا کا سنسار بسائے لاٹھی لوٹا ہاتھ میں لے کر بغل میں پریم کی بھینٹ دبائے
لگی چھلکنے نینوں میں بچپن کی سندر یاد سہانی
بھارت کے اتہاس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

یاد آئے وہ سنگی ساتھی مل کر پڑھنے کھیلنے والے (۴) بھولی بسری پریہ یاد سے من نے بلّیوں اچھالے
آج دوارکا دھیش بنے ہیں کل جو تھے گوکل کے گوالے چتر شرومنی چنچل نٹ کھٹ من کے اجلے تن کے کالے
لگی ناچنے سامنے آکر صورت وہ جانی پہچانی
بھارت کے اتہاس کی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

یاد آیا گورو کی آگیا سے ایندھن لینے بن میں جانا (۵) گھور گھٹاؤں کا گھر گھر کر آنا اور بوندیں برسانا
سردی سے دانتوں کا بجنا چوری چوری چنے چبانا پھر وہ ساتھی متر کے آگے یاد آیا جو کیا بہانا
لگی گونجنے کانوں میں موہن کی مدھر منوہر بانی
بھارت کے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مانو آیا کوئی پتنگا دیپک اجیارے سے ملنے (۶) مانو آیا مور یا نورا بنھ کے گھن کارے سے ملنے
مانو کوئی چکور ہو آیا رجنی پتی پیارے سے ملنے مانو آیا ہو کوئی نالہ گنگا کے دھارے سے ملنے
مانو چلا آج پرانیشور تک بھُول کا بچھڑا پرانی
بھارت کے اتہاس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

راج بھون تک جا پہنچا تو دوارپال دوڑے پر آئے (۷) کہا۔ کہو مہاراج سے جا کر ملنے متر سداماں آئے
دیکھ دیکھ کر دشا دین کی سب یہ کہہ کہہ کر مسکائے دیج کُن ہو کر ردی کی گودی چڑھنے کو دیکھو للچائے
چلا سوئم سرکار سے کہنے تھا جو دوارپال اک گیانی
بھارت کے اتہاس کی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(۸) تن سُو کھا کنٹک پگ ماہیں سیس پہ دُھول نین مرجھائے — جانی کے براہمن نام سُداماں آپ سے ہیں ملنے کو آئے
سُنتے ہی سب سدھ بدھ بھُولے چھوڑ سنگھاسن اُٹھ کر دھائے — تن پُلکا من پیار میں ڈوبا کنٹھ سے کنٹھ لگا ہرشائے

ادھروں پر مسکان منوہر نینوں میں بھر آیا پانی

بھارت کے اتہاس کی ہے یہ پریم بھری اک کتھا پرانی

(۹) شُول نکلے پلکوں سے پگ دھونے کو اشرو جل لائے — کر کملوں سے کمل نین نے سوچھ نرمل وستر پہنائے
اُٹھی ترنگیں پریم سندھو میں کرُونا کر کرُونا پر آئے — ٹوٹے پھوٹے چاول پاکر مانک موتی رتن لٹائے

کہت کوی دل کہی نہ جائے۔ امر پریم کی امر کہانی

بھارت کے اتہاس کی . . . . . . .

(۱۰) تیسری مُٹھی دھانوں کی جب دوارکا ناتھ کے مُنہ تک آئی — کومل کر کملوں سے کسی نے پکڑ ہی لی سُکمار کلائی
ترلوکی کی سمپتی دے دی دو مُٹھی دھانوں کی کھائی — ایک مُٹھی تو رہنے دو اب رہے! یہ دو نندن ہے! یہ دوائی

مُسکاتے مُسکاتے بولی یدو نندن سے رکمنی رانی

بھارت کے اتہاس کی . . . . . . .

(۱۱) نرکھ نرکھ درشیہ موک رہ گئے جسودا نندن کنور کنہائی — رُکا ہاتھ مہاراج ادھیراج کا پریم پرواہ میں یاد آئی
سپنا بن ہوا اک پل میں کھِلتی کلی وہیں کُمھلائی — رُوٹھ گئی مدھر بھری سگندھی بھاگ گئی شیتل پُروائی

پنتھ سے بھٹک گئی رس دھارا ندیا کی تھم گئی روانی

بھارت کے اتہاس . . . . . . .

(۱۲) دھنیہ دھنیہ ہیں کرُونا مے پندو کو سندھو بنانے والے — دھنیہ دھنیہ ہیں ہم تم کے آنچل میں لسنت ورشانے والے
دھنیہ دھنیہ ہیں رچ کن کو روی کے سدرش چمکانے والے — دھنیہ دھنیہ ہیں کنیاں کھا کر مُٹھیاں کوٹی لٹانے والے

دھنیہ سُداماں سے سنتوشی دھنیہ گپت سرکریتن سے دانی

بھارت کے اتہاس کی ہے یہ پریم بھری اک کتھا پرانی

---

۱؎ ڈوٹے چاول

ایک اور چھوٹا سا رج کشن ایک اور پرونت انی بہاری (۱۳) ایک اور اک جل کا بندو ایک اور سرتا متواری
ایک اور تربھون کے داتا ایک اور اک رنگ بھکاری ایک اور ہے وپر سداماں ایک اور مر کریخن مراری
ایک اور اتی سکھ کی گاتھا ایک اور دکھ بھری کہانی
بھارت کے اتہاس کی ہے ......

وہ سواگت سمان ہوا جو سپنے میں بھی بھول نہ پائے (۱۴) رتن جٹت کنچن کے جھولے میں جھولے دن رات جھلائے
ادھ بھت آبھوشن پہنائے ریشمی شال دوشال اڑھائے امرت میٹھے رس بھر بھر کر یدا رتھ ایک تھال میں سنگ کھلائے
دودھ پلایا بھر بھر کر جب وپر نے مانگا منہ سے پانی
بھارت کے اتہاس ......

پر جب گھر کی اور چلے تو بالکل ویسے جیسے آئے (۱۵) اپنی پھٹی لنگوٹی باندھے دھیرے دھیرے پاؤں اٹھائے
چنتا کے گہرے ساگر میں ابھر ابھر کر غوطے کھائے جاتے جاتے من ہی من میں لاکھوں ریت کے محل بنائے
لے ڈوبا ہر بار نراشا روپی ندی کا بہتا پانی
بھارت کے اتہاس کی

گھر پہنچے تو گھاس پھوس کی جھونپڑی بھی دیکھنے نہ پائی (۱۶) جگمگ کرتے کنچن محل دیکھ کر اور نراشا چھائی
اچھے گئے اور کچھ پانے پہلی بھی ہاتھوں سے گنوائی واہ میرے مستک کی ریکھا، کیسا اچھا رنگ ہے لائی
اچھا ملن ہوا موہن سے اچھی ہوئی میری مہمانی
بھارت کے اتہاس ......

دھرم پتنی نے دیکھا محل سے آرتی تھال سجا کر لائی (۱۷) پوجا کی پرنام کیا اور کنٹھ میں پشپ مال پہنائی
بولی ناتھ بدھاروا اب تو پرسن بھئے ہیں کرشن کنہائی یہ سب کرپا انھیں کی ہے جو ہم دنیوں نے آج ہے چھپائی
جب پرتیم کی کرپا ہوئی پریمی نے مہاں پریم کی جانی
بھارت کے اتہاس کی ہے یہ پریم بھری اک کتھا پرانی

## ویر سدا ماں صفحہ ۴۳ سے آگے

تب پریوار سہت اس گھر میں ویر نے گیت بتر گائے (۱۸) دھنیہ بادِ نکلا نج مکھ سے پگ ناچے اور ہاتھ اٹھائے
بھون کی نرکھ نرکھ کر شوبھا من مسکایا نین ہرشائے	جنم جنم کی کٹی غریبی یگ یگ کے سکھ اڑ کے آئے

کہت کوی دِل پریم کی گاتھا کیا جانے دُنیا دیوانی
بھارت کے اتہاس کی ہے یہ پریم بھری اک کتھا پرانی

(بقیہ صفحہ ۴۲ سے آگے)

دیوی شکتیوں سورج چندرما اندرادی کی اور کھنچ گیا۔ ہردے میں اُن سے تدروپ ہونے کی خواہش بڑھی۔ اِن لوگوں کے دویہ بھوگوں کی لالسا نے انیک یگیوں کی سرشٹی کی۔ اِن لوگوں نے دویہ بھوگوں کے لئے سنسارک بھوگوں کے تیاگ پر ہی بل دیا۔ پرنتو موت نے اُن کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اگرچہ وہ دویہ بھوگ سنسارک بھوگوں کی نسبت دیر تک رہنے والے تھے۔ پرنتو اُن کا ایک دن انت ضروری تھا کیونکہ وہ بھوگ کسی کرم کا ہی پھل تھے اور کرم کبھی بھی اسیم نہیں ہوتا۔ رہا کال کا بھید سو وہ بھید بھی مِتھیا ہی ہے کیونکہ سکھ کے ہزاروں برس بھی سپنے کی طرح بیت جاتے ہیں۔ اور دکھ کی ایک گھڑی بھی برسوں کے سمان بھاسکتی ہے۔ اِس لئے یہ دوڑ بھی اِس اُلجھن کو سلجھا نہ سکی۔

منش اپنے کرتا کی ہی تو پرتی مورتی ہے۔ اِس لئے اُس نے ہمت نہ ہاری۔ کچھ ستوگنی بدھی مانو اِس کھوج میں آگے بڑھے۔ بھیتر کی اور چل کر وہ دو دلوں میں بٹ گئے۔ ایک دل تو اسی اندریہ گوچر جگت کے بھیتر کسی اگیات ستّا کی کھوج میں لگ گیا اُس کی کوششوں کے پرینام سروپ انیک وگیانک چمتکاروں کی سرشٹی ہوئی۔ لیکن جوں ہی ایک سمسیا حل ہوتی دو اور کھڑی ہو گئیں۔ اور منش اپنے لکش سے اتنی دور ہی رہا جتنی پر کر پہلے تھا یا شاید یہ دوری اور بڑھ گئی ہو۔ ہاں اُس کے جیون میں باہری چہل پہل بڑھ گئی۔

دوسرے دل نے سنسارک پدارتھوں کے نام روپ کے موہ سے اوپر اُٹھ کر من سے اِن کے تیاگ پر ہی بل دیا۔ باہری پدارتھوں سے تنگ آکر اُنکی درشٹی انترمکھ ہو گئی۔ وہ اِس نتیجے پر پہنچے کہ سکھ کا ادھشٹھان کوئی اندریہ اگوچر پدارتھ ہے۔ جو اِس برہمانڈ میں ویاپک ہو کر بھی اچھوتا ہے۔ اُس سے تدروپ ہونا ہی ادھیاتم واد کی انتم گتی ہے۔ یہی پرم دھام ہے اور یہی امرت ہے چونکہ یہ انوبھوتی کا وشے ہے۔ اسلئے انوبھوی پُرش اِس کا ورنن نہ کر سکے اور کبیر کی طرح یہ کہہ کر ہی چُپ ہو گئے۔

لکھا لکھی کی ہے نہیں دیکھا دیکھی بات
دولہا دلہن مل گئی پھیکی پڑی برات

وشو کوی ٹیگور کی نیچے لکھی کوتا اسی اگیات ستّا کی اور سنکیت کرتی ہے جو سارے برہمانڈ میں ویاپک ہے۔

(باقی صفحہ ۴۸ پر)

| مائع اونس | ملی لیٹر (قریب ترین ملی لیٹر میں) |
|---|---|
| ۱ | ۲۸ |
| ۲ | ۵۷ |
| ۳ | ۸۵ |
| ۴ | ۱۱۴ |
| ۵ (=۱ جِل) | ۱۴۲ |

| جِل | ملی لیٹر (قریب ترین ملی لیٹر میں) |
|---|---|
| ۱ | ۱۴۲ |
| ۲ | ۲۸۴ |
| ۳ | ۴۲۶ |
| ۴ (=۱ پائنٹ) | ۵۶۸ |

| پائنٹ | لیٹر | ملی لیٹر (قریب ترین ملی لیٹر میں) |
|---|---|---|
| ۱ | – | ۵۶۸ |
| ۲ (=۱ کوارٹ) | ۱ | ۱۳۶ |

| کوارٹ | لیٹر | ملی لیٹر (قریب ترین ملی لیٹر میں) |
|---|---|---|
| ۱ | ۱ | ۱۳۶ |
| ۲ | ۲ | ۲۷۳ |
| ۳ | ۳ | ۴۰۹ |
| ۴ (=۱ گیلن) | ۴ | ۵۴۶ |

| گیلن | لیٹر | ملی لیٹر (قریب ترین ۱۰ ملی لیٹر میں) |
|---|---|---|
| ۱ | ۴ | ۵۵۰ |
| ۲ | ۹ | ۹۰ |
| ۳ | ۱۳ | ۶۴۰ |
| ۴ | ۱۸ | ۱۸۰ |
| ۵ | ۲۲ | ۷۳۰ |
| ۶ | ۲۷ | ۲۸۰ |
| ۷ | ۳۱ | ۸۲۰ |
| ۸ | ۳۶ | ۳۷۰ |
| ۹ | ۴۰ | ۹۱۰ |
| ۱۰ | ۴۵ | ۴۶۰ |

| گیلن | لیٹر | ملی لیٹر (قریب ترین ۱۰۰ ملی لیٹر میں) |
|---|---|---|
| ۲۰ | ۹۰ | ۹۰۰ |
| ۳۰ | ۱۳۶ | ۴۰۰ |
| ۴۰ | ۱۸۱ | ۸۰۰ |
| ۵۰ | ۲۲۷ | ۳۰۰ |
| ۶۰ | ۲۷۲ | ۸۰۰ |
| ۷۰ | ۳۱۸ | ۲۰۰ |
| ۸۰ | ۳۶۳ | ۷۰۰ |
| ۹۰ | ۴۰۹ | ۱۰۰ |
| ۱۰۰ | ۴۵۴ | ۶۰۰ |

| ملی لیٹر | مائع اونس (قریب ترین ¼ مائع اونس میں) |
|---|---|
| ۱۰ | ¼ |
| ۲۰ | ¾ |
| ۳۰ | ۱ |
| ۴۰ | ۱½ |
| ۵۰ | ۱¾ |
| ۶۰ | ۲ |
| ۷۰ | ۲½ |
| ۸۰ | ۲¾ |
| ۹۰ | ۳¼ |
| ۱۰۰ | ۳½ |

| لیٹر | گیلن | کوارٹ | پائنٹ | جِل (قریب ترین جِل میں) |
|---|---|---|---|---|
| ۱ | – | – | ۱ | ۳ |
| ۲ | – | ۱ | ۱ | ۲ |
| ۳ | – | ۲ | ۱ | ۱ |
| ۴ | – | ۳ | ۱ | – |
| ۵ | ۱ | – | – | ۳ |
| ۶ | ۱ | ۱ | – | ۲ |
| ۷ | ۱ | ۲ | – | ۱ |
| ۸ | ۱ | ۳ | – | – |
| ۹ | ۱ | ۳ | ۱ | ۳ |

| ملی لیٹر | پائنٹ | جِل | مائع اونس (قریب ترین ½ مائع اونس میں) |
|---|---|---|---|
| ۲۰۰ | – | ۱ | ۲ |
| ۳۰۰ | – | ۲ | ½ |
| ۴۰۰ | – | ۲ | ۴ |
| ۵۰۰ | – | ۳ | ۲½ |
| ۶۰۰ | ۱ | – | ۱ |
| ۷۰۰ | ۱ | – | ۴½ |
| ۸۰۰ | ۱ | ۱ | ۳ |
| ۹۰۰ | ۱ | ۲ | ۱½ |
| ۱۰۰۰ (=۱ لیٹر) | ۱ | ۳ | – |

| لیٹر | گیلن | کوارٹ | پائنٹ (قریب ترین پائنٹ میں) |
|---|---|---|---|
| ۱۰ | ۲ | ۱ | – |
| ۲۰ | ۴ | ۱ | ۱ |
| ۳۰ | ۶ | ۲ | ۱ |
| ۴۰ | ۸ | ۳ | – |
| ۵۰ | ۱۱ | – | – |
| ۶۰ | ۱۳ | ۱ | – |
| ۷۰ | ۱۵ | ۱ | ۱ |
| ۸۰ | ۱۷ | ۲ | ۱ |
| ۹۰ | ۱۹ | ۳ | – |
| ۱۰۰ | ۲۲ | – | – |

# میٹرک نظام اختیار کیجئے

## آسانی و یکسانی کے لئے

جاری کردہ بھارت سرکار

DA-99/579

(بقیہ صفحہ ۵۰ سے)

جب سرشٹی کی رچنا ہوئی اور آکاش کے تارے اپنی پہلی اجل جوتی کے ساتھ چمک رہے تھے۔ تب دیوتاؤں نے آکاش میں ایک سبھا کی اور کہا۔ "آہ یہ پوِرن شوبھا کیسی سندر اور شدھ آنند دائک ہے"

لیکن اچانک ہی کسی نے کہا "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جوتی مالا میں کوئی جگہ خالی رہ گئی ہے اور کوئی تارا کھو گیا" انکی بینا کے تار بکھر گئے۔ سنگیت بند ہو گیا اور ترا شاہیں چلا اٹھے "وہ کھویا ہوا تارا ہی سب کی جان تھا۔ وہی سارے سورگ کا گورو تھا۔ اس دن سے تارے کی لگاتار ڈھونڈ ہونے لگی ایک چھور سے دوسرے چھور تک سبھی کہتے ہیں کہ اس کے کھو جانے سے سنسار کا سرشٹے سکھ سو بن گیا ہے۔ کیول راتری کے گھمبیر موَن میں تارا گن مسکراتے ہیں اور آپس میں دھیمی آواز سے کہتے ہیں "سب ویرتھ ہے یہ ڈھونڈ سبھی جگہ تو اٹوٹ سمپورنتا شوبھا پا رہی ہے"

## ور کی ضرورت

ایک پھیروں کی چودر بال ودھوا عمر ۲۴ سال کے لئے یوگیہ کھتری ور کی ضرورت ہے۔ لڑکی خواندہ اور سلائی کٹائی کا امتحان پاس ہے اور گھر کے کام کاج سے بخوبی واقف ہے۔

ضرورت مند اصحاب مندرجہ ذیل پتہ پر خط و کتابت کریں۔ مینیجر رسالہ ادم اجمیری گیٹ دہلی

رسالہ "ادم" کی اشاعت بڑھانا آپ کا دھارمک فرض ہے۔

"مینیجر"

Monthly 'OM' Delhi.
Vol. 27 May, 1960 Regd. No. D. 84



*Title Printed at Kapoor Art Press, Karol Bagh, New Delhi.*